کرشن چندر

•

* پہلا ناول "نیلی ہرن"
* دوسرا ناول "جھبک کا قلعہ"

شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس سیریز کا تیسرا ناول

* "موتیوں کی جھیل"

شائقین کی خدمت میں پیش ہے۔

* اس سیریز کا چوتھا ناول بہت جلد شائع ہونے جا رہا ہے
* "موتیوں کی جھیل" "بہادر نگار جنگ سیریز کا تیسرا ناول ہے

•

یہ پاکٹ بکس بالکل نئی پلیٹوں پر طبع کی گئی ہیں ۔ چھپائی
صاف ستھری خوشخط اور پڑھنے میں آسان

بہادر رگارجنگ سیریز کا تیسرا ناول

موتیوں کی جھیل

(مکمل ناول)

کرشن چندر

پاکٹ بک ایڈیشن شائع کردہ
مشورہ بک ڈپو، رام نگر، کرشن نگر، دہلی 51۔

ناشران مشورہ بک ڈپو
رام نگر، کرشن نگر۔ دہلی ۵۱

مطبوعہ: جمال پرنٹنگ پریس دہلی

قیمت فی کتاب ۲.۵۰ روپیہ

فہرست ابواب

پیش لفظ

" بہادر گارجنگ" اس نئے سیریز کا ہیرو ایک طرح سے ہندوستانی ٹارزن ہے۔ وہ ہمالیہ کے جنگلوں میں رہتا ہے اور جنگل کے جانوروں سے دوستی کرتا ہے۔ وہی اس کے مددگار اور حلیف ہیں۔ بہادر گارجنگ نے تہذیب سے دور خطرناک پہاڑوں ان کے جانوروں ان کے پیڑوں میں اپنی دنیا بسائی ہے۔ مگر وہ اس خطرناک دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس حد تک مہذب ہے کہ اس نے آج تک کسی جانور کی جان نہیں لی۔ کسی آدمی،

اپنے کسی بڑے سے بڑے دشمن کو قتل نہیں کیا۔

"بہادر گار جنگ کا کردار ہر اس آدمی کو پسند آئے گا جس کے دل کے اندر کا بچہ ابھی جاگتا ہے۔ اور جو قتل وغارت سے نفرت کرتا ہے۔ مگر بہادری، اولوالعزمی، جدّت، دلیری اور مہماتی جنگل کی کہانی کو پسند کرتا ہے۔

اگر قارئین نے بہادر گار جنگ اور اس کی جنگل کی کہانیوں کو پسند کیا تو آگے چل کر اس کے دوسرے حصّے بھی پیش کئے جائیں گے۔ اور انہیں باقاعدہ تسلسل سے سلسلے وار پیش کیا جا سکے گا۔

کرشن چندر

موتیوں کی جھیل

پہلا باب

چار آدمی غوغان کے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے ....؟

پہلا ایک کابلی پٹھان عبدالرحمٰن تھا۔ جو بمبئی میں ڈرائی فروٹ بیچنے کا دھندا کرتا تھا۔

دوسرا کرپال سنگھ تھا جو ٹیکسی ڈرائیور تھا

تیسرا عبدالرحمٰن کابلی کا چھوٹا بھائی کریم خان تھا جو کرپال سنگھ کا کلینر تھا۔

چوتھے کا نام وکٹر تھا۔ اور یہ چاروں آدمی بمبئی سے تبت کی سرحد کی طرف نکلے تھے۔ اور اب ہمالیہ کے اونچے اور دشوار گزار پہاڑوں میں

موتیوں کی جھیل تلاش کر رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ موتیوں کی جھیل تبت اور ہندوستان کی سرحد پر کہیں واقع ہے۔ اونچے اونچے برفانی پہاڑوں سے گھری ہوئی یہ خوبصورت جھیل ایک ایسے علاقے میں واقع ہے۔ جہاں آج تک کسی بیرونی سیاح کے قدم نہیں پہنچے

سینکڑوں سال سے ہزاروں بہادر سیاح اور منچلے اپنے اپنے قافلے لے کر موتیوں کی جھیل کی تلاش میں۔ تبت کی سرحد کا رخ کرتے ہیں مگر یا تو راستے کی مشکلات اور مصیبتوں سے گھبرا کر واپس آجاتے ہیں۔ یا وہیں راستے ہی میں کہیں برف سے پھسل کر ہزاروں فٹ گہرے کھڈوں میں گر کر یا برف میں جم کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی واپس نہیں آتے۔ صرف ایک دفعہ ایک "تبتی" کسی نہ کسی طرح سے اس جھیل کے کنارے تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اور جھیل میں ڈبکی لگا کر موتیوں کے پانچ دانے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا

ان موتیوں کا ہر دانہ کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ اور جوہریوں کا خیال تھا کہ اتنے بڑے چمکدار، خوبصورت اور قیمتی موتی آج تک نہ کہیں دیکھے گئے نہ پائے گئے۔

ان میں سے ایک موتی تو شاہ جاپان کے تاج میں ہے۔ دوسرا شاہ برطانیہ کے تاج میں۔

تیسرا شاہِ ایران کے تاج میں۔
چوتھا شاہِ فاروق کے تاج میں۔
پانچواں موتی اس تبتی نے مرتے وقت وکرؔ کے باپ کو دیا تھا۔ جو ممبئی میں اس امیر وکبیر تبتی کا باورچی تھا۔ اور جس نے تبتی کی علالت کے دوران میں اس کی تیمارداری دل وجان سے دن اور رات جاگ کر کی تھی۔ تبتی نے وکرؔ کے باپ کی خدمت سے خوش ہو کر مرتے وقت اسے یہ بیش بہا موتی تحفہ میں دیا تھا۔ اور ایک پھٹا پرانا نقشہ بھی دیا تھا۔ جس میں موتیوں کی جھیل تک پہنچنے کا راستہ بتایا گیا تھا۔ اور اب وکرؔ کے باپ نے خود مرتے وقت یہی پوشیدہ نقشہ اپنے اکلوتے بیٹے وکرؔ کو دیا تھا۔ اور اس سے کہا تھا۔

"بیٹا اس تبتی کے بخشے ہوئے موتی کے ایک دانے کو بیچ کر مجھے اتنی دولت مل گئی کہ میں نے ساری زندگی عیش وآرام سے بسر کی۔ اب میرے پاس اس نقشے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ نقشہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ اگر تم کسی طرح موتیوں کی اس جھیل سے موتی لانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو دنیا کے امیر ترین انسان کہلاؤ گے"۔

راستہ اتنا کٹھن تھا کہ وکرؔ اکیلا سفر کرنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے تین جانی اور جگری دوستوں سے صلاح کی۔ اور ان تینوں دوستوں نے متفقہ طور پر اس مہم میں اس

کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

اس کے دوستوں میں عبدالرحمن کابلی سب سے زیادہ امیر تھا۔ اس نے مہم میں حصہ لینے کی خاطر اپنا سارا کاروبار بیچ دیا تھا۔۔۔ کرپال سنگھ نے اپنی ٹیکسی اور دکرٹ نے اپنا گھر۔۔۔! اور یہ چاروں دوست قافلہ بنا کر ہمالیہ کے پہاڑوں میں آنکلے تھے۔

راستے میں انہیں طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، کئی دنوں تک یہ باسوجی نام کی عورتوں کے ایک خوفناک قبیلے میں قیدی رہے۔ اور اب وہاں سے بچکر غوغان کے پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے۔ حفاظت کے لئے ان کے پاس صرف دو رائفلیں تھیں۔ اور تین خچروں پر کھانے پکانے کا ضروری سامان لدا ہوا تھا۔

غوغان کا پہاڑ تبتی نقشے کے مطابق چودہ ہزار فٹ اونچا تھا۔ وہ لوگ چڑھتے چڑھتے اب گیارہ ہزار کی بلندی پر آگئے تھے جنگل۔ پیڑ۔۔۔ پودے۔۔۔ جھاڑیاں اور گھاس کے قطعے دور پیچھے رہ گئے تھے۔ یہاں سے برف کا علاقہ شروع ہوگیا تھا۔۔۔ برف کے تودے اور تند و تیز برفیلی ہوا کے فراٹے جسم میں کپکپی دوڑا دیتے تھے۔

یہاں پہنچکر قافلے نے ایک گھنٹے کے لئے آرام کیا۔

سب نے مل کر کھانا کھایا، پانی پیا، خچروں کو دانہ ڈالا۔ پھر کابلی نے وکرٹ سے کہا۔

"نقشہ کھول کر بتاؤ۔۔۔ آگے راستہ کیا ہے؟"

وکرٹ نے نقشہ کھول کر بتایا۔

"یہاں سے ہمیں غوغان کی مغربی سمت گھوم جانا ہوگا، اور جب ہم لوگ گھوم کر غوغان کی بالکل مغرب سمت میں پہنچیں گے تو ہمیں کوئی داہ کا گلشیر ملے گا۔ جسے پار کر کے ہمیں بارہ ڈھکی کا پہاڑ ملے گا۔ جو نقشے کے مطابق اٹھارہ ہزار فٹ اونچا ہے اور جب ہم بارہ ڈھکی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچیں گے تو ہمیں برف کا پل ملے گا۔ جو بارہ ڈھکی پہاڑ کی چوٹی کو جن شاہ پہاڑ سے ملاتا ہے۔ جو اکیس ہزار فٹ اونچا ہے۔ جس کو عبور کر کے۔۔۔۔!"

"بس۔۔۔ بس۔۔۔۔!!"

عبدالرحمن کابلی نے کہا۔ "ابھی اتنا ہی کافی ہے۔ مگر یہ بتاؤ کوئی داہ گلشیر کی پہچان کیا ہے۔ کیونکہ اس اونچائی پر پہاڑوں کے دائیں بائیں کئی گلشیر ملیں گے۔ سوچو! اگلشیر کوئی خدا کا بندہ تو ہے نہیں کہ السلام علیکم کہہ کر خود ہم سے بغل گیر ہو جائے گا۔ وہ تو برف کا دریا ہے اس کو پہچاننا پڑے گا برادر۔"

"میرا بھائی ٹھیک کہتا ہے۔"

کریم خان بولا۔

" وکرٹ نے پھر نقشہ کا مطالعہ کیا۔ اور سوچ کر بولا۔

"کوئی راہ کے نقشے پر سانپ کے پھن کی سی صورت بنی ہوئی ہے۔"

خدا جانے اس کا کیا مطلب ہے۔" کابلی نے سر ہلا کر کہا۔ "چلو اب تو اللہ توکل چلو۔ آگے دیکھا جائے گا۔"

قافلہ مغربی سمت میں چلنے لگا۔ سب سے آگے عبدالرحمٰن کابلی تھا۔ جو افغانستان کا رہنے والا تھا۔ اور دشوار گذار پہاڑوں پر سفر کرنے کا عادی تھا۔ اس کے پیچھے سردار کرپال سنگھ تھا۔ جو قد میں سب سے لمبا اور طاقت میں سب سے مضبوط تھا۔ اس کے پیچھے کریم خان اور وکرم تینوں خچروں کو سنبھالتے آ رہے تھے

دوپہر بھر وہ مغربی سمت کی جانب چلتے رہے۔ اور چلتے چلتے وہ سارا غوغان کا پہاڑ گھوم گئے۔ مگر انہیں کوئی راہ کا گلشیر نہ ملا۔

"نبی کے نقشہ نے دھوکہ دیا۔" سردار کرپال سنگھ غصے سے بولا۔

نقشہ غلط ہے۔"

کریم پریشان ہو کر بولا۔ "واپس چلو۔"

"نقشہ غلط نہیں ہو سکتا۔" وکرم نے کابلی سے یقین سے کہا۔

"بوڑھے درخت کوئی آدمی دھوکہ نہیں دے سکتا۔"

"خوچی تم ٹھیک کہتے ہیں۔" کابلی سر ہلا کر بولا۔ مگر برادر! ادھر تو کدھر بھی کوئی راہ کا گلیشیر دکھائی نہیں دیا۔؟"

ایکایک کریم خان نے چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھو... وہ دیکھو! وہ کیا ہے؟" کریم خان نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔

جہاں وہ کھڑے تھے وہاں سے کوئی دو ہزار فٹ اوپر ایک لمبی سیاہ چٹان مڑتی گھومتی ہوئی پہاڑ کے کنارے سے نکل کر فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

"سانپ کا پھن۔" وکرم خوشی سے چلایا۔

"ستو رب دی، بالکل سانپ کے پھن کی طرح یوں ہے۔" کرپال سنگھ اپنے ہاتھ سے سانپ کے پھن کی شکل بنا کے بتانے لگا۔

راستے سے ذرا بھٹک گیا۔" کابلی اپنی غلطی پر نادم ہوتے ہوئے بولا۔

"اب دو ہزار فٹ اوپر چڑھنا ہوگا۔"

دو ہزار فٹ چڑھ کر جب وہ اس پتھریلے پھن کے قریب پہنچے تو ان کے سامنے ایک بہت بڑا گلیشیر پھیلا ہوا تھا۔ برف کا دریا، اور اس دریا پر پہاڑ ایسے بڑے بڑے برف کے تودے، اور ٹیلے ایسے چھوٹے چھوٹے تودے برف کے جگہ جگہ نظر آرہے تھے۔ اور یہ پورے کا پورا گلیشیر دھیرے دھیرے

نیچے ہزاروں فٹ نیچے سرک رہا تھا۔

"اس پر سفر کرنا بے حد خطرناک ہے۔" کابلی نے گلشیر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "پہلے ہم ایک خچر اس پر بھیجتے ہیں۔"

"سیدھا سپاٹ راستہ ہے۔ برف جمی ہوئی اور مضبوط دکھائی دیتی ہے۔" کرپال سنگھ بولا۔ "اس گلشیر پر چلنا کیا مشکل ہے۔"

کابلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ایک خچر سے سامان اتار کر دوسرے خچر پر لاد دیا۔ اور خچر کو چابک مار کر گلشیر میں اتار دیا۔

خچر نے ہنہنا کر ایک بار پیچھے مڑنے کی کوشش کی تو عبدالرحمان نے فوراً اسے چابک دکھائی۔ خچر سمجھدار تھا۔ چابک کا اشارہ پاتے ہی سمجھ گیا اور مڑ کر آگے گلشیر پر آہستہ آہستہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے بڑھنے لگا۔

جب خچر گلشیر کے وسط میں پہنچا تو یکایک جہاں وہ لوگ کھڑے تھے وہاں کی چٹانیں لرزنے لگیں۔ پہاڑوں کے اندر ایک خوفناک گونج پیدا ہو رہی تھی۔ پھر ایک خوفناک گرج سنائی دی گلشیر عین بیچ میں سے پھٹ گیا۔ ایک بلند شعلہ نمودار ہوا اور خچر اس آگ کے شعلے میں سما گیا۔ پھر شعلہ خچر سمیت برف کے اندر غائب ہو گیا۔ برف کے تودے برابر ہو گئے۔ اور اب برف کا دریا اسی طرح خاموش اور منجمد تھا۔ جیسے اس کی سطح پر آج تک

جانور نے پیر نہ رکھے ہوں۔

یہ نظارہ دیکھ کر سب کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ لوگ خوف اور وحشت سے کانپنے لگے، اور وہیں گلیشیر کے کنارے چٹانوں سے لگے کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

کچھ دیر کے بعد جب ذہن کی تھرتھری بند ہوئی تو کرپال سنگھ نے گھبرا گیا

"چلو۔" یہاں سے بھاگ چلیں۔ میرے خیال میں تو یہاں بھوت پریت بستے ہیں۔

"بھوت پریت نہیں ہے بھائی۔" کابلی تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "کوہ آتش فشاں پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

"کچھ بھی ہو۔ میں اس گلیشیر سے سفر نہیں کروں گا۔

کریم خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

کوئی دوسرا راستہ پہاڑ تک جانے کا سوچنا پڑے گا۔"

ڈاکٹر بولا۔

بہت سوچ بچار کے بعد کابلی کے کہنے پر قافلے نے غوغان پہاڑ کی مغربی سمت چھوڑ دی۔ اور آدھا راستہ واپس گھوم کر دوسری سمت سے غوغان پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ اس سمت میں ٹیڑھی میڑھی چٹانوں کا ایک دو رویہ سلسلہ تھا۔ جس کے اندر برف بچھی ہوئی تھی۔ اور یہ سلسلہ گھوم کر سیدھا

غوغان پہاڑ کی چوٹی تک جاتا تھا۔

چڑھائی بڑی کٹھن تھی۔ مگر خوش قسمتی سے برف تازہ تازہ گری تھی۔ اس لئے ابھی اس میں پھسلن پیدا نہ ہوئی تھی۔ جو ہر قدم پر راستے کو خطرناک بنا دیتی تھی۔ پھر بھی کئی بار بھربھری برف میں وہ ٹانگوں تک دھنس گئے۔ اور ان کو نکلنے میں خاصی محنت کرنا پڑی۔

شام کو وہ غوغان پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ اس چوٹی کی مغربی سمت سے انہیں بارہ ڈھکی پہاڑ پر جانے کا راستہ مل گیا۔ گلتبیر نیچے رہ گیا تھا۔ اس لئے اب اس راستے پر جانے سے کوئی اندیشہ نہ تھا۔ قافلہ بہت تھک چکا تھا۔ ڈکٹر اور کریم خان چوٹی ہی پر رات گذارنے پر زور دے رہے تھے۔ مگر یہ چوٹی چاروں طرف سے ننگی تھی۔ کابلی نے سب کو سمجھایا کہ رات کو اگر برف کا طوفان آیا تو پناہ لینے کے لئے کہیں جگہ نہ ملیگی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ مغربی سمت سے چوٹی سے اتر کر اس گہری کھائی میں پناہ لی جائے۔ جو غوغان پہاڑ کو بارہ ڈھکی سے ملاتی ہے۔ کابلی کا مشورہ سب نے قبول کر لیا۔ اور تاریکی چھانے سے پہلے قافلہ چوٹی سے نیچے اتر کر اس کھائی میں پہنچ گیا۔ جو غوغان اور بارہ ڈھکی کے درمیان میں واقع تھی۔

اس کھائی کو چاروں طرف سے چٹانوں نے گھیر رکھا تھا اس لئے یہ کھائی ایک محفوظ کھوہ سی بن گئی تھی۔ یہ کھوہ اندر سے بالکل خشک تھی اور یہاں برف بالکل نہیں تھی۔ اور برفانی ہوا کے فراٹے بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ کابلی نے رات کو رہنے کے لئے بڑی محفوظ جگہ ڈھونڈ نکالی تھی۔

اس کھوہ کے اندر رہنے کے لئے خیمہ بھی لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے ان لوگوں نے اپنے سفری بستر نکالے۔ جن کا باہری حصہ بارش سے بچنے کے لئے ترپال کا بنا ہوا تھا۔ اور اندر سردی سے بچنے کے لئے روئی اور اون بھری ہوئی تھی اور اوپر زپ لگا ہوا تھا۔ کھانا گرم کر کے ان لوگوں نے کھایا۔ اور پھر جلدی سے اپنے اپنے بستر میں گھسنے لگے۔ جب دکرٹا نے ایک زور کی چیخ ماری۔

"کیا ہے۔؟"

کابلی نے چلا کر پوچھا۔

جواب میں دکرٹا نے اپنی ٹارچ کھوہ کے ایک کونے میں ڈالی جہاں وہ اپنا بستر بچھا رہا تھا۔ وہاں پر انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔

"کوئی مسافر ہم سے پہلے یہاں آیا تھا۔" گرپال آہستہ

سے بولا۔
مگر خود نہیں مرا۔ مارا گیا ہے۔"
دکرم نے ہڈیوں کے شکستہ ڈھانچے کو غور سے
دیکھتے ہوئے کہا۔
کابلی نے کہا۔" اس بلندی پر تو جانور کا بھی گذر نہیں
اس لئے اسے اس کے کسی ساتھی نے مارا ہوگا۔"
" نہیں۔"
دکرم ڈھانچے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔" بہت بُری
طرح بھنبھوڑا گیا ہے۔ جیسے کسی جانور نے اسے کھایا ہو۔"
" اس بلندی پر کوئی جانور نہیں ہوتا۔" کابلی نے اطمینان
سے کہا۔" سو جاؤ۔"
" میرے خیال میں سب کو باری باری پہرہ دینا چاہیئے۔"
کریم نے مشورہ دیا جسے فوراً سب نے منظور کر لیا۔
پہلے کابلی نے پہرہ دیا۔ پھر کریم خان نے۔ تیسرے
پہر جب کرپال پہرہ دے رہا تھا تو ان کے اوپر چٹانوں
کے اوپر خوفناک دہاڑیں سنائی دینے لگیں۔ وہ سب لوگ
خوفزدہ ہو کر جاگ گئے۔ کرپال اور کابلی نے رائفلیں چڑھا لیں۔
خوفناک دہاڑوں سے آس پاس کے سارے پہاڑ
گونج رہے تھے۔ چٹانوں کے اوپر ایسا معلوم ہوتا تھا

جیسے ریل گاڑی چل رہی ہو۔ اور خوفناک گرجدار آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

"شیر معلوم ہوتے ہیں۔" وکرم بولا۔

"شیر اس بلندی پر نہیں آتے۔" کابلی نے کہا۔

"تو کھالو ہوں گے۔؟" کرپال بولا۔

"کھالو کی یہ دہاڑ نہیں ہے۔"

"تو پھر کون ہے۔؟"

"خدا جانے۔"

کابلی نے پریشان ہو کر کہا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کے شور وغل کے بعد دھیرے دھیرے وہ دہاڑیں خود بخود بند ہو گئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے ریل گاڑی کہیں بہت دور جا رہی ہو۔ پھر چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ اس کے بعد رات بھر کچھ نہیں ہوا۔ پہلے تو وہ لوگ خوف سے جاگتے رہے۔ مگر بے حد تھکے ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں خود بخود نیند آ گئی۔ دوسرے دن دیر تک سوتے رہے اس وقت اٹھے جب کھوہ کے اندر بندھے ہوئے خچر بھوک سے بیتاب ہو کر ہنہنانے لگے۔

ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد تیار ہو کر، ناشتہ کر کے خچروں کو لے کر کھوہ سے باہر نکلے۔ اور پارہ ڈھکی پہاڑ

کے اوپر چڑھنے لگے۔

یہ پہاڑ غوغمان سے بھی اونچا تھا۔ اور چاروں طرف سے برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایک چڑھائی کے بعد ایک چھوٹا سا میدان آتا تھا۔ پھر وہ میدان طے کر کے دوسری چڑھائی پر چڑھنا پڑتا تھا۔ کابلی چوٹی تک نگاہ ڈالتے ہوئے چڑھائیوں کو گنتے ہوئے بولا۔ "پوری بارہ ڈھکیاں ہیں۔ واقعی اس پہاڑ کا نام بارہ ڈھکی بالکل ٹھیک رکھا گیا ہے"۔

چھٹی ڈھکی تک پہنچتے پہنچتے انہیں دوپہر ہو گئی۔ اور جب وہ بارہ ڈھکی پار کر کے چوٹی پر پہنچے تو سورج دور مغرب میں برفستانی سلسلۂ کوہ کے پیچھے ٹھٹھرتا ہوا اپنے بستر میں چھپنے کے لئے کہیں جا رہا تھا۔

بارہ ڈھکی کے پہاڑ کی چوٹی پر بے شمار چھوٹے چھوٹے لمبوترے سفید برف سے ڈھکے ہوئے زمین سے ابھرے ہوئے ٹیلے تھے۔ ان کی شکل بڑی عجیب و غریب تھی ہر ٹیلا زمین سے کوئی ڈیڑھ فٹ اونچا تھا۔ اور چار فٹ چوڑا تھا۔ اور طول ترا ہوتے ہوتے پندرہ سولہ فٹ کے بعد ایک دم دار ٹیکرے کی شکل میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ اور ٹیلے برف سے بالکل ڈھکے ہوئے تھے۔

کابلی نے ان عجیب و غریب ٹیلوں پر ایک سرسری سی

نظر ڈالی۔ کابلی نے اونچی چٹان پر چوٹی کی سب سے اونچی جگہ پر کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے اس کے ساتھی تھے۔ اور وہ ان عجیب وغریب ٹیلوں کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں پر یہ ٹیلے پر ختم ہوتے تھے۔ وہاں پر یہ چوٹی بھی ختم ہو جاتی تھی۔ اور اس کی چوٹی سے لگا ہوا "برف کا ایک قدرتی پل تھا۔" جو بارہ ڈھکی پہاڑ کی چوٹی کو جن شاہ پہاڑ سے ملاتا تھا۔ یہ حیرت انگیز پل کوئی ایک سو گز لمبا تھا اور پندرہ فٹ چوڑا تھا۔ نیلے رنگ کے ایک سخت اور منجمد تودے کی صورت میں اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس پل کے نیچے ہزاروں فٹ گہری کھائی تھی۔ اور اس پل کے سوا جن شاہ پہاڑ پر جانے کا اور کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔

"کیسا عجیب وغریب پل ہے۔" کرپال نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کسی انسانی انجینئر نے اسے بنایا ہے۔"

"قدرت بھی تو ایک انجینئر ہے۔!" وکرم بولا۔ "معلوم ہوتا ہے دونوں طرف کے پہاڑوں کی پھسلواں چٹانوں سے برف کے گر گر کر بھر دیا ہو گا۔ اور اس برف نے گلیشیر کی صورت اختیار کر لی ہو گی۔ پھر کھائی کے نیچے کا حصہ گلیشیر سے کٹ کٹ کر بہہ گیا ہو گا اور پھر یہ پل باقی رہ گیا۔ قدرت کا ایک معجزہ۔"

"رب کا شکر کرو برادر ۔" کابلی چٹان سے اتر کر ایک ٹیلے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب آگے برف کے پل پر چلنے کی تیاری کرو۔"

مگر اتنے میں ایک عجیب بات ہوئی ٹیلے پر بیٹھتے ہی کابلی نے سر اس کے دوسرے ساتھیوں نے دیکھا کہ وہ ٹیلا خود بخود ہلنے لگا۔ پورے کا پورا خوفناک دانتوں والا منہ زور زور سے دہاڑنے لگا۔

کابلی گھبرا کر واپس بھاگا اور اس کے دوسرے ساتھی بھی۔ وہ سب لوگ اس اونچی چٹان پر پہنچ گئے جہاں وہ چند لمحے پہلے کھڑے تھے۔

چوٹی کے سینکڑوں ٹیلے اب اپنی جگہ سے سرک رہے تھے۔ اور دم ہلا کر خوفناک آوازیں دہاڑ رہے تھے۔

رات کو بھی دہاڑیں ہم نے سنی تھیں۔ کرپال نے کانپتے ہوئے کہا۔

"مجھ تو یہ سفید رنگ کے مگرمچھ معلوم ہوتے تھے۔ کابلی دہشت آمیز لہجے میں بولا۔

"بالکل وہی معلوم ہوتے ہیں۔"

کریم خان بولا۔

"مگر اس چوٹی پر مگرمچھ ؟ حیرت ہے۔ خدا کی شان ۔ ہے"

سینکڑوں مگرمچھ دم ہلاتے ہوئے، منہ کھولے ہوئے اس

اُونچی چٹان کے چاروں طرف سرک رہے تھے۔ اور زور زور سے دہاڑ رہے تھے۔ ان کی مضبوط دموں سے پتھر بھی کانپتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

"یہ تو ہمیں مار مار کر چٹان توڑ دیں گے۔" کریم خان نے نے گھبرا کر کہا۔

دونوں خچر خوف سے ہنہنا رہے تھے۔ انہیں قابو میں رکھنا مشکل تھا۔ چاروں آدمی مل کر بھی ان دونوں خچروں کو قابو میں رکھنے سے قاصر تھے۔ خچروں کی آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں اور موت کی دہشت سے وہ دُلتیاں جھاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

یکایک ایک خچر لگام تڑا کر بھاگا۔ اور چٹان کے نیچے جا گرا۔

اس کے گرتے ہی سفید رنگ کے مگرمچھوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اسے کھانے لگے۔

"کابلی بولا۔

"بس یہی موقع ہے بھاگ چلو۔ سیدھے برف کے پل کی طرف۔"

جان ہتھیلی پر لے کر تیسرے اور آخری خچر کو گھسیٹتے ہوئے وہ لوگ مگرمچھوں سے بچتے ہوئے برف کے پل کی طرف بھاگے۔

ابھی آدھا راستہ بھی طے نہ کیا ہوگا کہ مگرمچھ خچّر کا صفایا کر کے دہاڑتے ہوئے ان آدمیوں کے پیچھے بھاگے۔ مگرمچھوں کی فوج کی فوج برف پر پھیلتی ہوئی خوفناک منہ کھولے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"نصیرے خچّر کا اسباب فوراً اُتار لو۔" کابلی جلدی سے بولا۔"اور اپنے کندھوں پر لاد لو۔"

کسی نہ کسی طرح کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انہوں نے خچّر پر لدا ہوا کھانے کا سامان وغیرہ اتارا۔ اور جلدی جلدی آپس میں بانٹ لیا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ کیوں کہ مگرمچھ تیزی سے دوڑتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

برف کے پل تک پہنچتے پہنچتے مگرمچھوں نے انہیں آلیا۔ کابلی نے دھکا دے کر خچّر کو مگرمچھوں کی جانب ڈھکیل دیا۔ خچّر گھبرا کر پلٹا اور ہوا میں دلتیاں جھاڑنے لگا۔ مگر ایکا یک ایک مگرمچھ نے اس کی ایک ٹانگ دبائی۔ دوسرے نے دوسری پھر آناً فاناً زمین پر گرا لیا۔ اور مگرمچھ چاروں طرف سے ایک دوسرے پر پل کر خچّر کو کھانے لگے۔

چاروں ساتھی خچّر کو اس کی قسمت کے حوالے کر کے اپنی جان بچا کر برف کے پل پر بھاگتے گئے۔ ابھی پل پار نہ کیا تھا کہ دوسرے خچّر کو بھی کھا کر وہ مگرمچھ پھر برف کے پل کی طرف بھاگے

لگے۔ اور ان چاروں انسانوں کے تعاقب میں آنے لگے۔

چھ چھ سات سات مگرمچھوں کے ٹولے کے ٹولے برف کے پل پر بڑھ رہے تھے۔ ان کی خوفناک آوازوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بے شمار ٹینک پل پر سے گذرتے ہوئے قافلے کا تعاقب کر رہے ہوں

زندگی میں اس تیزی سے وہ لوگ کبھی نہ بھاگے ہونگے چھلانگے بھرتے ہوئے آخر وہ لوگ پل پار کر گئے۔ مگر اب مگرمچھ بھی پل کے درمیان پہنچ گئے تھے۔ اور بھاگتے ہوئے۔ دہاڑتے ہوئے تیزی سے دوڑتے ہوئے پل کے دوسرے کنارے پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

کابلی دوڑتے دوڑتے رک گیا۔

"بھاگو! بھاگو!! برادر۔"

کریم خان اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

جھنجھلا کر کابلی نے اپنا دامن اس سے چھڑا لیا۔

پھر اس نے جلدی سے اپنے تھیلے کو ٹٹولا اور ٹٹول ٹٹول کر اس نے اس تھیلے میں سے ڈائنامیٹ کا ایک ڈنڈا نکالا۔ جو ایک ڈیڑھ فٹ لمبا تھا۔ ڈائنامیٹ لیکر کابلی جن شاہ پہاڑ پر بھاگنے کی بجائے برف کے پل کی طرف بھاگا اور ڈائنامیٹ کو گاڑنے لگا۔

برف کو کھود کھود کر اس نے ڈائنامیٹ کو گہرا گاڑ دیا۔ اور پھر اس میں فلیتہ لگانے لگا۔ مگر مچھ اب اس سے صرف بیس گز کے فاصلے پر رہ گئے۔

فلیتہ لگا کر اس نے ماچس جلائی۔

مگر مچھ اس سے صرف دس گز کے فاصلے پر رہ گئے۔

ماچس ہوا کے جھونکے سے بجھ گئی۔

مگر مچھ اس سے صرف پانچ گز کے فاصلے پر رہ گئے وہ اپنے خوفناک دانتوں والے کشتی نما بڑے بڑے منہ کھولے ہوئے کابلی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اور انسان کی بو پا کر ان کے قدم اور تیز ہو گئے تھے۔

کابلی نے دوسری ماچس جلا کر فلیتے کو آگ لگا دی اور چھلانگ لگا کر واپس پلٹا۔ پہلے مگر مچھ نے دہاڑ کر منہ مارا تھا۔ مگر کابلی چند انچوں کے فاصلے سے بچ گیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے ساتھیوں کی طرف جانے لگا۔

یکایک زور کا ایک دھماکہ ہوا۔ اور برف سینکڑوں فٹ اوپر ہوا میں اچھلی اور کابلی مڑ کر دیکھنے لگا۔

برف ایک اونچے فوارے کی صورت میں ہوا میں چاروں طرف بکھر رہی تھی۔ پھر ایک خوفناک آواز آئی اور پل کڑکڑا کے ٹوٹ گیا۔ اور لاکھوں ٹن برف کا منجمد تودہ منتشر ہوتے

ہوئے سینکڑوں مگرمچھوں کو لے کر نیچے کھائی میں جا گرا۔

دیر تک آس پاس کے پہاڑ بھی اس خوفناک صدا سے گونجتے رہے۔ آخر برف بیٹھ گئی اور مگرمچھوں کی دہاڑیں بھی ختم ہو گئیں۔ اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔

وہ چاروں ہانپتے کانپتے جن شاہ کے پہاڑ پر کھڑے تھے ان کے سامنے بارہ ڈھکی کا پہاڑ کھڑا تھا جسے وہ لوگ چھوڑ آئے تھے۔ اور اب بارہ ڈھکی اور جن شاہ کے پہاڑ کے درمیان برف کا پل ٹوٹ چکا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جانے کا راستہ بھی مسدود ہو چکا تھا۔

دوسرا باب

آگ کا پیالہ

بہت دیر کے بعد ان چاروں کے ہوش ٹھکانے آئے اور وہ لوگ وہیں برف پر بیٹھ کر اردگرد کے حالات کا جائزہ لینے لگے۔ اس افراتفری میں وہ اپنا بہت سا سامان کھو چکے تھے۔ برف پر سونے والے صرف دو بستر باقی تھے۔ اور رائفلیں۔ کھانے کا سامان صرف اتنا بچا تھا جو بڑی مشکل سے صرف چار دن کے لئے کافی ہوگا۔ وہ بھی اگر ایک وقت کھانا کھائیں تو دو دن کے لئے کافی ہوگا۔

" نقشہ کھولو۔ " کابلی نے دکرڈ سے کہا۔

وکرم نے نقشہ کھول کر بتایا۔

جن شاہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر ہمیں پھر مغرب کی سمت جانا ہوگا۔ مغربی سمت سفر کرنے کے بعد جن شاہ پہاڑ کی نصف اترائی اترنے کے بعد ہمیں کال کٹورا وادی ملے گی۔ کال کٹورا وادی کے گرد گھوم کر ہمیں پھر گن شاہ پہاڑ پر جانا ہوگا۔ جو کال کٹورا وادی کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ سب دس دن کا سفر ہے۔"

اور ہمارے پاس صرف دو دن کی خوراک ہے۔" کابلی نے کہا۔

"اور واپس جا نہیں سکتے۔" کریم خان نے مایوس ہو کر کہا۔

" کابلی بولا۔ مگر ہم جن شاہ پہاڑ کی چوٹی پر کیوں چڑھیں یہیں سے گھوم کر مغربی سمت نیچے اتر جانے کی کوشش کریں اور جب کال کٹورہ وادی کو پالیں تو اس کے گرد گھومنے کے بجائے سیدھے وادی میں اتر کر مغرب سے مشرق میں چلے جائیں۔ اور گن شاہ پہاڑ پر پہنچ جائیں۔ اس طرح سے دس دن کا سفر تین چار دن میں طے ہو سکتا ہے۔ گن شاہ پہاڑ پر نقشے کے مطابق بہت گھنے جنگل ہیں۔ وہاں شکار بہت ملے گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"
کرپال نے صاد کیا۔
"مگر نقشے پر یہ راستہ نہیں ہے۔" وکٹر بولا۔
"نقشے کی ایسی تیسی۔"
کریم خان نے غصے سے کہا۔ "اب صرف دو دن کی خوراک باقی رہ گئی ہے۔ اور ہمیں اپنا نقشہ بنانا پڑے گا۔ آخر کالی کٹورا وادی کے گرد بین جو کھائی گولائی میں گھومنے سے ہمیں کیا فائدہ؟ کیوں نہ ہم وادی میں اتر کر شارٹ کٹ ماریں۔ میرا بھائی ٹھیک کہتا ہے۔"
"ٹھیک کہتا ہوں یا غلط، یہ تو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ مگر اس وقت اپنے حالات دیکھتے ہوئے یہی صورت مناسب معلوم ہوتی ہے۔" کابلی نے جواب دیا۔
"اب کیسے معلوم تھا اتنی اونچائی پر کمبخت مگرمچھ ملیں گے۔"
کرپال سنگھ حیرت سے بولا۔
"آپاں نے تو یہ سن رکھا تھا کہ مگرمچھ پانی میں ہوتے ہیں سمندر میں دریا میں تالاب میں یا جھیل میں۔"

وکٹر بولا۔
کسی زمانے میں یہاں سمندر ہوگا۔ پھر جب پانی نیچے اترا تو پہاڑوں پر جھیل رہ گئی ہوگی۔ اور اس چوٹی پر یہ مگرمچھ رہ گئے ہوں گے۔ نیچے نہ جا سکے ہوں گے۔ پھر آب و ہوا نے بدل

ہوگئی تو ان مگرمچھوں کا رنگ بھی سفید ہوگیا۔ تم نے دیکھا یہ مگرمچھ سب کے سب اندھے تھے۔ ان کی آنکھیں نہیں تھیں۔

"یہ دیکھنے کا ہوش کسے تھا۔"

کرپال بولا۔

"میں نے دیکھا ان مگرمچھوں کی آنکھیں نہیں تھیں۔ وہ صرف بو کے سہارے ہماری طرف دوڑ رہے تھے۔"

"یہاں کھاتے کیا ہوں گے؟"

کرپال نے پوچھا۔ "یہ کوئی جرنیل سڑک تو ہے نہیں کہ دن رات مسافر چلتے رہیں۔ یہاں کون آتا ہے۔ نہ آدمی نہ جانور چاروں طرف برف ہی برف ہے۔"

"میرے خیال میں برف کھاتے ہوں گے یا ایک دوسرے کو کھاتے ہوں گے۔ مگر واقعی اتنی بلندی پر مگرمچھوں کا موجود ہونا حیرت انگیز بات ہے۔"

"ارے جہنم میں ڈالو ان مگرمچھوں کو۔ اب آگے چلنے کی تیاری کرو۔ اپنے پاس صرف دو دن کی خوراک باقی ہے اگر دو تین دن میں گن شاہ پہاڑ تک نہ پہنچ سکے۔ تو خدا ہی حافظ ہے۔ کابلی نے سب سے کہا۔ اور اس کا اشارہ پاتے ہی تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے برابر برابر

سامان بانٹ لیا۔

دونوں دن کی خوراک خود کابلی نے اپنے پاس رکھ لی۔ اور قافلہ عبدالرحمن کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

۵

دو دن تک قافلہ پہاڑی ڈھلوان، کھائیوں میں اترتا چڑھتا رہا۔ رات کو وہ لوگ سردی اور برف باری سے بچنے کے لئے چٹانوں کی گہری دراڑوں میں پناہ لیتے۔ اس علاقے میں اونچی نیچی چٹانوں اور برسوں کی جمی ہوئی پرانی برف کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دو دن کے سفر میں کسی طرح ایک جانور

ایک پیڑ یا جھاڑی کی صورت تک دکھائی نہ دی ۔ چاروں طرف برف تھی یا چٹانیں ۔ جو مسلسل برف باری سے گھس گھس کر تیز اور نوکیلی ہو گئی تھیں ۔ ان چٹانوں پر اترتے چڑھتے نکلنے والوں کے ہات پیر اور گھٹنے زخمی ہو گئے تھے ۔ پھر بھی وہ لوگ ہمت کر کے کال کوڑرا وادی کی طرف سفر کرتے رہے ۔

دو دن کے بعد وہ ایک ایسے پہاڑی موڑ پر جا پہنچے جہاں سے نقشہ کے مطابق راستہ مشرق کی سمت گھوم کر کال کنڈرا وادی کی طرف جاتا تھا ۔ اور یہاں مغربی جانب ایک گہری کھائی تھی ۔ پانچ چھ ہزار فٹ گہری ۔ اس کھائی میں اوپر سے نیچے تک برف کا ایک آبشار جما ہوا کھڑا ہوا تھا ۔

اتنے بڑے آبشار کو جمے ہوئے دیکھ کر ۔ ان لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔ برف کا ایک مہیب ستون اوپر سے نیچے تک پھیلا کھڑا تھا ۔ قطب مینار سے تیس چالیس گنا لمبا اور چوڑا ، اوپر سے نیچے تک ایک سفید جن کی طرح زمین پر پاؤں لگائے اور آسمان سے لگائے بڑی مضبوطی سے کھڑا تھا ۔ اس کا جسم سارے کا سارا برف کا بنا ہوا تھا ۔ لیکن برف کا رنگ سفید نہیں تھا ۔ بلکہ ہلکا نیلا تھا ۔ جیسے جمے ہوئے پانی کا ہوتا ہے ۔ اور جب

اس پر سورج کی کرنیں پڑتی تھیں تو یہ برف کا آبشار نیلم کی ایک سلاٹ کی طرح جھلمل جھلمل کرنے لگتا تھا۔ وہ لوگ بہت دیر تک اس پہاڑی موڑ پر بیٹھ کر اس پہاڑی آبشار کو دیکھتے رہے۔ پانی کے آبشار تو انہوں نے راستے میں کئی دیکھے تھے۔ لیکن برف کا آبشار انہیں پہلی بار دیکھنے کو ملا۔ کیوں کہ یہاں سردی اس قدر زیادہ تھی کہ پانی کا آبشار جو اوپر پہاڑی گلشیروں سے رس رس کر نیچے آتا تھا۔ سردی سے جم گیا تھا۔ اور پانی کے بجائے برف کا آبشار بن گیا تھا

چھ ہزار فٹ نیچے کھائی میں جہاں یہ آبشار گرتا تھا۔ اور ندی کی صورت میں ایک تنگ اور گہری وادی میں سے گزرتا تھا۔ وہاں کی ندی بھی برف سے جم گئی تھی۔ اور جما ہوا یہ پانی برف کی یہ ٹیڑھی میڑھی لکیر کی طرح کھائی دار وادی کے اندر اندر دور تک بل کھاتا ہوا نظر آرہا تھا۔

دیر تک وہ لوگ اس عجیب و غریب نظارے کو دیکھتے رہے۔ پھر اسی مقام پر بیٹھ کر انہوں نے تھوڑا کھانا کھایا۔ کیوں کہ اب صرف ایک دن کا کھانا باقی رہ گیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ سب آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔

وہ لوگ اتنے تھک گئے کہ لیٹتے ہی انہیں نیند آ گئی

اور وہ سبھی خراٹے لینے لگے۔

کچھ دیر بعد یکایک ان کی نیند ایک خوفناک آواز سے ٹوٹ گئی اور وہ لوگ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔

اوپر کے پہاڑوں کے اندر سے ایک مہیب آواز پیدا ہو رہی تھی۔ جیسے ریل گاڑیاں ایک ساتھ چلنے لگی ہوں۔ گڑ گڑ گڑ کی خوفناک آواز بڑھتی گئی۔

کابلی نے چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر محتاط ہو کر چاروں طرف دیکھا اور اوپر کے برفانی پہاڑوں کی طرف دیکھا جہاں سے برف کا آبشار جما ہوا نیچے کھائی تک جاتا تھا۔

آواز بڑھتی جا رہی تھی۔

یکایک کابلی نے گھبرا کر کہا۔

"برف کا گلشیر پھیل رہا ہے۔"

عین اسی وقت اس کے تینوں ساتھیوں نے اوپر کے پہاڑوں کے سلسلے سے لاکھوں ٹن وزنی برف کے ایک بہت بڑے تودے کو ٹوٹ کر جمے ہوئے آبشار پر گرتے دیکھا۔ اور عین اسی وقت گھبرا کر وہ سب لوگ اپنی چٹان کی گہری کھوہ میں ایک ساتھ بیٹھ گئے۔ اور اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

چند سکنڈ کے بعد ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔ جیسے

لاکھوں توپیں ایک ساتھ چل گئی ہوں۔ پھر دھماکے پر دھماکے سنائی دینے لگے۔ جیسے آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔ اور زمین بیچ میں سے شق ہو گئی ہو۔ چٹانیں کاغذ کے ورق کی طرح کانپ رہی تھیں۔ اور وادی ایسے ہل رہی تھی جیسے کوئی خوفناک بھونچال آرہا ہو۔ وہ لوگ خوف اور دہشت سے چٹانوں کی کھوہ میں دبک گئے۔ زمین پر لیٹے انگلیاں کانوں میں دیئے چپ چاپ لیٹے رہے۔ چند منٹ کے بعد وہ خوفناک آوازیں خود بخود کم ہوتی گئیں۔ دھیمی ہوتی گئیں۔ پھر رک گئیں اور چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔

جب چند منٹ تک مکمل سکوت رہا۔ کسی توپ کے دغنے کی آواز نہ آئی اور زمین ہلتی ہوئی معلوم نہ ہوئی۔ تو وہ لوگ جرأت کر کے اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلے اور باہر دیکھنے لگے۔ اوپر کے پہاڑوں سے کھسل کر آنے والے گلیشیروں نے پانی کے جمے ہوئے آبشار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ وہ بلند و بالا سفید جن جو چند منٹ پہلے کھائی سے چوٹی تک اونچا اور مضبوط کھڑا تھا۔ اب ڈھے کر کھائی میں گر گیا تھا۔ اور ساری کھائی اور وادی برف سے بھر گئی تھی اور ندی کے نکلنے کا راستہ برف نے بند کر دیا تھا۔

دیر تک کھڑے کھڑے وہ اس عجیب منظر کو دیکھتے رہے

آخر وکرم بولا۔
" اسی طرح ندی نالوں کے رخ بدلتے ہیں۔ اور جہاں کھائیاں ہوتی ہیں وہاں جھیلیں بن جاتی ہیں۔"
" خدا کا شکر کرو۔"
کابلی اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ " جان بچ گئی اور صرف چند گز کے فاصلے سے موت ہم سے پلٹ کر نیچے کھائی میں چلی گئی۔
" نہیں تو ہم سب لوگ برف کے نیچے دبے ہوتے۔"
سرپال سنگھ بولا۔
" بھاگو! بھاگو اب یہاں سے فوراً بھاگ جانا چاہیئے —
کریم خان بولا۔
" ممکن ہے برف کا دوسرا گلیشیر ہم ہی پر ٹوٹ کر حملہ کر دے۔"
" میرا بھائی ٹھیک کہتا ہے۔" کابلی بولا۔ " اب سامان اٹھاؤ اور بھاگو یہاں سے کال کنڈرا وادی کی طرف۔"
" وکرم بولا۔
" بس ایک دن کا کھانا رہ گیا ہے۔ ڈیڑھ دو دن میں اگر ہم لوگ گن شاہ پہاڑ پر نہ پہنچے تو بھوکے مر جائیں گے۔"

ان لوگوں نے جلدی جلدی اپنا سامان اٹھایا اور موڑ کاٹ کر مغرب کی سمت روانہ ہوئے

سہ پہر کے قریب وہ ننگی اونچی چٹانوں کے ایک ایسے سلسلے کے نیچے پہنچ گئے جو جہاں تک نظر جاتی تھی ایک نیم دائرے کی صورت میں پھیلا ہوا نظر آتا تھا۔

"شاباش ساتھیو!"

کابلی نے اپنے ساتھیوں کو ہمت دلاتے ہوئے کہا۔ جب ہم ان اونچی چٹانوں کے اوپر چڑھ جائیں گے۔ تو ان کے دوسری طرف ہمیں کال کٹورے کی وادی ملے گی۔ اب تھوڑا سا سفر باقی رہ گیا ہے۔ ہمت کر کے آگے بڑھ چلو۔"

اس کے ساتھیوں نے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ سامان کو اپنی پیٹھ پر ٹھیک کیا۔ اور سر جھکا کر چٹانوں کے اوپر چڑھنے لگے۔

شام ہوتے ہوتے وہ چٹانوں کے اوپر پہنچ گئے۔

یہاں پہنچکر انہوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا۔

چاروں طرف چٹانیں ایک دوسرے سے ملتی ہوئی یوں جڑی ہوئی تھیں۔ ایک پیالے کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ اور اس پیالے کے اندر ایک کٹوری نما وادی تھی۔ جہاں کہ نہ کوئی جنگل تھا۔ نہ جھاڑی تھی۔ نہ گھاس کا پتہ تھا۔ نہ برف تھی نہ آبادی تھی۔ اس وادی کے اندر جگہ جگہ زمین پھٹ گئی تھی

اور اس میں سے دھواں نکل رہا تھا اور آگ کے شعلے۔ اور یہ ساری وادی آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی بالکل آگ کے ایک پیالے کی طرح دہکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

وہ لوگ مایوس ہو کر اونچی اونچی چٹانوں پر بیٹھ گئے۔ اور نیچے کے آگ کے پیالے کو دیکھنے لگے۔ اب گن شاہ پہاڑ تک کیسے پہنچ گے۔ کیوں کہ نیچے وادی میں اتر کر آگ کے پیالے میں سے گذرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

کال کٹورا وادی میں دھواں چھایا ہوا تھا۔ آگ کے شعلے تھے اور لال لال گرم لاوا زمین سے اُبل اُبل کر انگاروں کی طرح دہک رہا تھا۔ نیچے سے گرم ہوا کے جھونکے آتے تھے اور جن اونچی چٹانوں پر وہ لوگ بیٹھے تھے۔ وہاں تک کی زمین تپتی ہوئی ریت کی طرح گرم تھی۔

"اب کہاں جائینگے۔"

نیچے اتریں تو آگ کا پیالہ۔ گرم گرم کھولتا ہوا لاوا اور ابلتی ہوئی گندھک کا نیلگوں دھواں۔ واپس جائیں تو برف کے پہاڑ اور گلشیر

سامنے موت۔

پیچھے موت۔

اور صرف ایک وقت کا کھانا ساتھ تھا۔

موت ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔ اور وہ لوگ ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر چٹانوں پر مایوس ہو کر اس طرح بیٹھ گئے۔ جیسے ان کی زندگی نے انہیں جواب دے دیا ہو۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا ہو۔

بہت دیر تک وہ چاروں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ شام کے دھندلکوں میں شفق کی سنہری لکیر غائب ہو گئی۔ اور چاروں طرف رات کی سیاہی پھیل گئی۔ اس سیاہی میں کہیں کہیں چٹانوں کے نوک دار سرے کنگورے سیاہ نیزوں کی طرح سر اٹھائے ہوئے کال کٹورا وادی کے چاروں طرف کھڑے کسی پرانے قلعہ کی فصیل کی برجیوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ اور اس فصیل کے اندر آگ کے شعلے دہک رہے تھے۔

" اب کیا کریں۔؟

کہاں جائیں۔؟

گن شاہ پہاڑ تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

کاہلی بولا۔

خوبرادر۔ اگر مرنا ہے تو اکٹھے مریں گے۔ آج رات یہیں گرم گرم چٹانوں پر آرام کرتے ہیں۔ صبح اٹھ کر کوئی ترکیب سوچیں گے۔"

وکڑ بولا۔ اگر ہم آگ کے پیالے کے اوپر کنارے کنارے

چٹانوں کے سلسلے پر چلتے جائیں تو تین چار دن میں گن شاہ پہاڑ پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"تین چار دن کھائیں گے کیا۔ اور چلیں گے کیا۔؟" کرپال سنگھ نے پوچھا

"اس وقت سو جاؤ برادر۔" کابلی بولا۔ "صبح بات کریں گے۔"

وکرم بولا۔

"موت سامنے کھڑی ہے۔ اس وقت نیند کیسے آئے گی۔"

مگر باتیں کرتے کرتے سب کو نیند آگئی۔ کیوں کہ چلتے چلتے سفر کرتے کرتے وہ بے حد تھک گئے تھے۔ اس لئے سب کو نیند آگئی۔ اور وہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کے قریب اکڑوں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے کرتے سو گئے۔

صرف کابلی ابھی تک جاگ رہا تھا اور گن شاہ پہاڑ تک جانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ مگر اس کا دماغ اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آرہی تھی۔ سوچتے سوچتے اسے بھی نیند آگئی۔ اور نیم نیم غنودگی کے عالم میں اُسے اپنے قریب کسی کی دبی دبی ہنسی کی آواز آئی۔ اور اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کرپال سنگھ ہنس رہا ہے۔

عبدالرحمٰن کابلی نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر پُوچھا۔" کیا بات ہے۔
کرپال سنگھ کیوں ہنس رہے ہو۔؟"
مگر اُسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ کرپال سنگھ اپنی جگہ پر موجود نہیں ہے۔ گھبرا کر کابلی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور احتیاط سے چند قدم چل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مگر اسے کہیں پر کرپال سنگھ کا سایہ تک دکھائی نہ دیا۔

"کرپال۔"

کابلی زور سے چلّایا۔

اس کی آواز پہاڑوں کے پیالے میں چاروں طرف گونج گونج کر لوٹتی ہوئی معلوم ہوئی۔

"کرپال! کرپال!! کرپال۔!!!"

یکایک اس کے قریب پھر کوئی آہستہ سے ہنسا۔

کابلی نے پلٹ کر دیکھنا چاہا کہ کون ہے۔ تو کسی نے ایک مضبوط ہاتھ اس کے مُنہ پر رکھ دیا۔ اور دوسرے لمحے ایک لمبے بالوں والے ہاتھوں نے اُسے زمین سے اٹھا لیا۔ اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

خوف اور دہشت سے کابلی نے گھبرا کر دیکھا۔ تو اسے معلوم ہوا کہ ایک خوفناک چہرے والا ریچھ نما جانور اپنے سفید سفید دانت نکالے ہوئے ہنس رہا ہے۔ اور اسے

ایک ہاتھ میں لئے چٹانوں پر بھاگ رہا ہے۔
ایک چٹان سے دوسری پر اچھلتے کھیلتے چھلانگتے اس ریچھ نے جست کی اور بظاہر صاف سیدھا کال کنڈرے کے اندر چھلانگ لگا گیا۔ خوف سے کابلی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
چند سیکنڈ کے بعد اس کے جسم کو ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اور اب اُسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ریچھ نما جانور اسے اپنے سینے سے لگائے ایک ہاتھ سے ایک بہت بڑی رسّی پکڑ جھول رہا ہے۔ جو اس کنڈرے کے وسط میں دھوئیں اور آگ کے شعلوں کے اوپر ہوا میں مغرب سے مشرق تک تنی ہوئی ہے۔
پھر کابلی نے دیکھا کہ اس رسّی پر اس کے آگے آگے تین اور ریچھ جا رہے ہیں۔ اور ان تینوں ریچھوں نے ایک ہاتھ سے ایک ایک آدمی کو۔ اس کے تینوں ساتھیوں کو دبوچ رکھا ہے اور اب یہ چاروں ریچھ اس کالے تنے ہوئے رسّے پر پھلانگتے اور کھیلتے ہوئے وادی کو عبور کر رہے ہیں۔
آگ کے شعلے رسّی سے کچھ ہی دو نیچے تھے۔ اور دھوئیں کے بادلوں اور آگ کے شعلوں کے اندر کبھی کبھی لال لال لاوا بل کھاتا ہوا ابل رہا تھا
ایک غلط قدم اور وہ جلتی ابلتی ہوئی موت اُسے اپنی

گود میں لے لیگی۔
خوف اور دہشت سے کابلی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کوئی مزاحمت کئے بغیر اس نے اپنے جسم کو ریچھ کی گرفت کے حوالے کر دیا۔
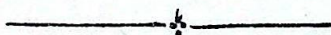
تیسرا باب

تبتی جوگی

کابلی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ریچھ کسی کے سدھائے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ ان ریچھوں نے بڑی پھرتی اور مشاقی سے بہت جلد کال کٹوڑہ کی وادی کو سنتے ہوئے رستے پر پھلانگتے ہوئے عبور کر لیا تھا۔ اور وادی کے دوسری طرف گن شاہ پہاڑ پر پہنچ گئے۔

رات کے اندھیرے میں کابلی کو یہ اندازہ تو نہ ہو سکا کہ وہ ریچھ اُسے کہاں لیے جا رہے ہیں۔ لیکن ٹیڑھی لکیر کے کڑکڑانے

ڈالیوں کے ٹوٹنے اور جنگلی جانوروں کے بولنے کی آوازوں سے کابلی نے اتنا اندازہ تو لگا لیا کہ وہ لوگ کال کوٹھڑے کی خوفناک وادی کو عبور کر کے گن شاہ پہاڑ کے جنگلوں میں سے گزر رہے ہیں۔ دل ہی دل میں اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور سوچنے لگا کہ قسمت نے یاوری کر کے یہاں تک تو پہنچا دیا۔ اب ان ریچھ نما جانوروں سے دیکھیں کیسے نجات ملتی ہے

بہت رات گئے وہ ریچھ جنگلوں میں سفر کرتے رہے کابلی نے اتنا تو اندازہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ اونچائی کی طرف جا رہے ہیں۔ مگر کہاں؟ اس کا اسے علم نہ ہو سکا۔ جب رات آدھی سے زیادہ بیت گئی۔ اور جنگلوں کے سائے چھدرے ہونے لگے تو ایک بہت بڑے مندر کا سیاہ کلس آسمان کو چھوتا ہوا نظر آیا۔ اس مندر کے بڑے دروازے کے قریب پہنچ کر ان چاروں ریچھوں نے اپنی گرفت سے ان قافلے والوں کو آزاد کر دیا۔ اور انہیں اشارے کرتے ہوئے مندر کے اندر لے گئے۔ اور ایک کوٹھڑی میں ڈال کر کواڑ بند کر دیا۔

دیر تک وہ لوگ تقریباً نیم بیہوشی اس سیاہ کوٹھڑی کے فرش پر اوندھے پڑے رہے

سانس لیتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ان کے اوسان بجا ہوئے تو انھوں نے اٹھ کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور دیکھکر خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ وہ سب چاروں صحیح سلامت اور زندہ تھے۔

"کسی کو چوٹ تو نہیں آئی ہے؟"

کابلی نے پوچھا۔

دکرٹا کرپال اور کریم خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے انکار میں سر ہلا دیا۔

ابھی تک دہشت کے مارے ان کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"ریچھ تھے یا کوئی اور جانور۔؟"

دکرٹے نے پوچھا۔

"یہ لوگ ہمیں کہاں لے آئے ہیں۔؟"

"کوئی مندر معلوم ہوتا ہے۔"

کرپال بولا۔

"مجھے ایسا لگا جیسے وہ ریچھ مجھے کھا جائے گا۔" کریم خان ڈرتے ڈرتے بولا۔

"کون کہہ سکتا ہے اب بھی کیا ہو۔؟"

"بُرے پھنسے۔" دکرٹے بولا

کابلی نے آہستہ سے کواڑ کو دھکا دیا۔ کواڑ کھل گیا۔ کواڑ کے باہر جھانک کر ادھر ادھر دیکھ کر کابلی نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"چلو بھاگ نکلیں۔ یہ ریچھ کواڑ بند کرنا بھول گئے ہیں جانور جو ٹھہرے۔ چلو یہاں سے فوراً بھاگ نکلیں۔ موقعہ اچھا ہے۔"

بے حد محتاط ہو کر دبے پاؤں وہ چاروں کوٹھڑی سے باہر نکلے۔ اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ٹٹولتے گھپ اندھیرے میں سے مندر کے بڑے دروازے کی طرف جانے لگے۔

یکایک انہیں اپنے پیچھے کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔

کابلی چونک گیا۔

بالکل ویسی ہی ہنسی تھی۔ جو اس نے کال کٹورا دادی کے اوپر چٹانوں پر لیٹ کر سنی تھی۔

"کون ہنسا۔؟"

دکرڑ نے پوچھا

"اور کیوں۔؟"

جواب میں پھر کوئی ہنسا۔

دوسرے لمحے پھر وہی سیاہ بالوں والے ہاتھ آگے بڑھے

اور رات کے اندھیرے میں وہ چاروں زمین سے اچک لئے گئے۔ اور اٹھا کر واپس اسی کالی کوٹھڑی میں ٹپک دیئے گئے۔ اب کے وہ احتیاط سے نہیں بلکہ اناج کے بوروں کی طرح زمین پر پٹکے گئے تھے۔ اور ان کے ٹخنوں اور گھٹنوں اور بازوؤں کی کہنیوں پر چوٹ آئی تھی۔

زمین پر پٹخ کر وہ چاروں ریچھ کوٹھڑی کے دروازے میں بیٹھ گئے اور دانت نکال نکال کر زور زور سے ہنسنے لگے۔

"کابلی نے اپنے گھٹنے کو سہلاتے ہوئے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

"اب بھاگنا بے کار ہے۔"

"میری کہنی چھل گئی۔"

کرپال درد کی اذیت سے خفا ہو کر بولا۔ "یہ بدذات کالے منہ والے ریچھ۔"

کرپال خفا ہو کر دبی زبان میں ریچھوں کو گالی دینے لگا اتنے میں تڑ سے اس زور کا طمانچہ اس کے گال پر پڑا کہ اس کا منہ گھوم گیا۔ اور وہ زمین پر گر کر کراہنے لگا۔

ریچھ پھر انہیں اسی کوٹھڑی میں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر اب کے کسی نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ "صرف کابلی نے اتنا کہا" معلوم ہوتا ہے یہ ریچھ آدمی کی زبان سمجھتے ہیں۔

ورنہ گالی سنکر طمانچہ کیوں مارتے۔ "

" مگر یہ کس طرح کے ریچھ ہیں جو انسان کی زبان سمجھتے ہیں
دکرٹا نے پوچھا۔

دکرٹا نے کہا۔

" ایسا اچمبھا تو ہم نے دیکھا نہ بھالا۔ کریم خان سر ہلاتے ہوئے
حیرت سے بولا۔ پھر آہستہ سے اپنے بھائی سے کہنے لگا۔ اگر
اجازت دو تو ایک دفعہ پھر بھاگنے کی کوشش کروں۔ "

چپکے پڑے رہو۔ "

کالی نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

بہت دیر تک وہ چپکے اپنی اپنی جگہ پڑے رہے۔ اور سہم
سہم کر سانس لیتے رہے۔ اب وہ ایک دوسرے سے
بات بھی نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ ریچھ
باہر کھڑے ہوئے سن رہے ہیں۔ اور غالباً انہیں سمجھ بھی رہے
ہیں۔ اس لئے بات نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد رات کی تاریکی میں دور سے
ایک روشنی آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جب روشنی بالکل قریب
آگئی۔ اور کوٹھڑی میں داخل ہوئی تو ان چاروں نے دیکھا کہ گیروے
کپڑے پہنے ہوئے ایک سادھو ہے۔ اس کے سر کے بال
اور داڑھی کے بال بالکل سفید ہیں اس نے اپنے ہاتھوں میں

ایک مشعل اٹھا رکھی ہے۔

سادھو نے اندر آ کر ان چاروں کو غور سے دیکھا۔ پھر ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا۔

"چلو۔ تم کو گورو مہاراج نے یاد کیا ہے۔"
اُٹھو اور میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

وہ چاروں اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک لمبے دالان میں اس سادھو کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

ایک دفعہ جو مڑ کر کابلی نے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ چاروں ریچھ چند قدم کے فاصلے پر ان کے پیچھے پیچھے چلتے آ رہے ہیں۔ سب سے بڑا ریچھ دانت نکال کر کابلی کو دیکھ کر ایک دبی گہری آواز میں ہنسا۔ اس کی آواز میں عجیب و غریب طنز تھا۔

کابلی نے اسے دیکھ کر جلدی سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جلدی جلدی سادھو کے پیچھے چلنے لگے۔

*

یہ دالان کوئی ایک سو گز لمبا تھا۔ اس دالان سے گزر کر وہ لوگ مندر کے اندرونی صحن میں داخل ہوئے۔
اس صحن کے اندر ایک خوبصورت باغ تھا۔ جس کی روشیں سنگ مرمر کی تھیں۔ اور ان روشوں کے دونوں طرف سرو کے خوبصورت درخت کھڑے تھے سنگ مرمر کے دونوں طرف پانی کے فوارے چل رہے تھے ان فواروں کے اندر ایک عجیب سی روشنی تھی۔ جس کے عکس میں پانی کی پھواریں چاندی کے لہریوں کی طرح جھلملا رہی تھیں۔
سنگ مرمر کی روشوں سے گزر کر وہ لوگ ایک لمبی غلام گردش میں پہنچے۔ یہ غلام گردش اتنی تنگ تھی کہ اس میں سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی آگے چل سکتا تھا۔ اس لئے یہاں پر سب لوگ ایک دوسرے کے پیچھے ایک لمبی قطار میں چلنے لگے۔
اس غلام گردش کی دیواریں سیاہ رنگ کی تھیں۔ اور فرش

بھی کالا تھا۔ اور بیچ بیچ میں کہیں کہیں دیواروں کے اندر طاقچے بنے ہوئے تھے۔ جن میں اگر لوبان کے ساتھ کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ جن سے ساری فضا مہکی ہوئی تھی۔ اس غلام گردش میں مکمل سنّاٹا تھا۔ فرش پر گہرے کالے رنگ کے غالیچے بچھے ہوئے تھے۔ جن پر چلنے سے کسی قسم کی آواز نہیں آتی تھی۔

کوئی دو ہزار گز غلام گردش کو پار کر کے وہ لوگ ایک کالے دروازے کے پاس پہنچے۔

یہاں پہنچکر سب سے آگے والے سادھو نے دروازے میں چھپا ہوا ایک بٹن دبایا۔ اور بٹن دباتے ہی دروازہ آپ ہی آپ کوئی آواز پیدا کئے بغیر کھل گیا۔

دروازہ کھلتے ہی سادھو نے اپنے پیچھے آنے والے لوگوں کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اور خود بھی سر جھکا کر ہاتھ جوڑ کر آگے آگے چلنے لگا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ کوئی منتر بھی پڑھ رہا تھا۔

تیس چالیس گز چلنے کے بعد وہ تنگ راستے سے دائیں طرف مڑا۔ پھر بائیں طرف مڑا۔ اسی طرح کی بھول بھلیوں میں چکّر کاٹنے کے بعد وہ سادھو ایک گنبد نما ہال میں پہنچا۔

اس ہال میں مکمل تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ مگر اس ہال میں پہنچکر جس طرح سب کو سانس لینے میں آسانی معلوم ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلام گردش کی بھول بھلیوں کی

تاریک دیواریں یکایک پیچھے ہٹ گئی ہیں۔

اور وہ لوگ کسی بڑی اور کھلی جگہ آ گئے ہیں

کابلی اُس گھُپ اندھیرے میں لڑکھڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کو ٹٹول رہا تھا کہ یکایک اس گہری تاریکی میں کہیں سے مدھم مدھم روشنی پھوٹنے لگی۔ اور اس نہایت ہی مدھم روشنی میں اسے اپنے سامنے ایک سیاہ پردہ نظر آیا۔ جس کے بیچوں بیچ لال دھاگے سے انسانی کھوپڑی کی ایک تصویر بنی ہوئی تھی۔ پردے کے قریب پہنچکر وہ سادھو رُکا اور دوزانو ہوگیا۔ اور دوزانوں ہوکر اس نے قافلے والوں کو بھی اپنے پیچھے اسی طرح بیٹھ جانے کو کہا۔

جب سب بیٹھ گئے تو سادھو نے کسی اجنبی زبان میں بلند آواز میں منتر پڑھنے شروع کیے۔

پانچ منٹ بعد وہ سیاہ پردہ بیچ میں سے الگ ہوکر دونوں طرف سرکنا شروع ہوا۔ اور چند سیکنڈ میں نظروں سے غائب ہوگیا۔

پردے کے ہٹتے ہی آنکھوں کے سامنے جو منظر آیا۔ اُسے دیکھ کر قافلے والوں کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ اور وہ بار بار آنکھیں مل مل کر اس منظر کو دیکھنے لگے

ان کی نظروں کے سامنے ایک بہت بڑا ہال تھا۔ اور ہال کے اوپر کی چھت گنبد نما تھی۔ اور ہال کے چاروں طرف

گول دیواروں میں ہر جگہ سفید موتی لگے ہوئے تھے۔ اور ہر موتی ایک ہی سائز کا تھا۔ اور کبوتر کے انڈے جتنا بڑا نظر آتا تھا بالکل سفید اور شفاف اور اجلا اور جھلملاتا ہوا چمک رہا تھا۔ اور اس قسم کے لاکھوں بلکہ کروڑوں موتی اس گول ہال کی دیواروں فرش اور گنبد میں جڑے ہوئے تھے۔ جدھر نظر اٹھاؤ موتی ہی موتی ٹکے ہوئے نظر آتے تھے

نظر کے سامنے ہال کے آخر میں ایک اونچا چبوترہ تھا اس چبوترے کی پانچ محرابیں تھیں۔ اور ہر محراب شکل اور سائز میں ایک دوسرے سے مشابہ تھیں۔ ہر محراب خوبصورت ترین موتیوں سے زرین تھی۔ اور ہر محراب کے اندر ایک جوگی بیٹھا تھا۔

پانچ جوگی تھے۔

اور پانچوں کے پانچوں آلتی پالتی مارے دھیان میں مگن تھے۔ ان کے سر گھٹے ہوئے تھے۔ جلد کا رنگ پیلے عنبر کا سا تھا۔ آنکھیں بند تھیں ہونٹ بند تھے۔ اور بے حس و حرکت یوں چپ چاپ بیٹھے تھے۔ جیسے وہ آدمی نہ ہوں پتھر کے بت ہوں۔ جو کسی موتیوں کے محل میں لاکر رکھ دیئے گئے ہوں۔

کمرے میں بھینی بھینی ایک عجیب سی خوشبو تھی۔ ہوا میں ایک عجیب سی تازگی تھی۔ سانس بہت ہی ہلکا اور بغیر کسی کوشش آتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اور موتیوں کی دیواروں اور گنبد سے ایسی

ملائم اور مدھم روشنی چھن کر آ رہی تھی ۔ جیسی صبح کے نور میں ہوتی ہے ۔
وہ پانچوں جوگی انتر دھیان تھے ۔ اور ایسے دبلے پتلے تھے گویا کاغذ کے بنے ہوئے ہوں ۔ اتنے دور سے بھی آپ ان کے جسم کی ایک ایک ہڈی گن سکتے تھے ۔
لیکن ان جوگیوں کے چہرے بڑے نورانی تھے ۔ ان کے چہروں سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی نظر آتی تھیں ۔ وہ پانچوں کے پانچوں اپنی اپنی محراب میں آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے ۔ ان کی سانس تک چلتی نظر نہ آتی تھی ۔
کابلی کے آگے بیٹھے سادھو نے تین دفعہ پھر اسی اجنبی زبان میں منتر پڑھے ۔ اور پھر خاموش ہو کر بڑے غور سے ان پانچوں جوگیوں کو دیکھنے لگا ۔ جیسے جوگیوں کی طرف سے اسے کسی جواب کا انتظار ہو ۔
دیر تک وہ سادھو غور سے جوگیوں کو دیکھتا رہا ۔ اور قافلے والے بھی حیرت سے اس تماشہ کو دیکھتے رہے ۔
بہت دیر کے بعد سب سے بیچ کی محراب کے اندر بیٹھے ہوئے جوگی نے آہستہ سے اپنی آنکھیں کھولیں ۔ ایک نظر ان چاروں قافلے والوں پر ڈالی ۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں ۔ پھر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی چھنگلی باقی انگلیوں سے الگ کر کے اوپر گھڑی کی چند لمحوں تک وہ انگلی سب سے الگ تنہا کھڑی رہی ۔ پھر

وہ انگلی آہستہ سے گر گئی ۔ اور عین اُسی وقت وہی تاریک پردے دیواروں سے نکلے ۔ اور سرکتے سرکتے آگے بڑھکے آپس میں مل گئے اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا ۔ سادھو نے کابلی کا ہاتھ پکڑکے اسے چوم لیا ۔ اور اسے اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو واپس غلام گردش میں لے آیا ۔ اور وہ سب لوگ اسی طرح واپس ہوئے جس طرح آئے تھے ۔ بھول بھلیوں میں کابلی نے راستہ یاد کرنے کی بہت کوشش کی مگر غلام گردش کے موڑ اس قدر پیچدار تھے کہ اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ لوگ کدھر سے آئے تھے اور کدھر جا رہے تھے ۔ صرف سادھو انہیں کسی پریشانی کے بغیر راستہ دکھاتا ہوا واپس لے جا رہا تھا ۔

جب وہ لوگ واپس اپنی کالی کوٹھری میں مندر کے بڑے دروازے کے قریب لائے گئے ۔ تو کابلی سے رہا نہ گیا ۔ اس نے سادھو سے پوچھا ۔

" یہ جوگی لوگ کون ہیں ۔ ؟ "

سادھو نے کہا ۔

" ان میں سے ایک ہندو ہے ، ایک مسلمان ہے ، ایک چینی ہے ۔ ایک جاپانی ہے ۔ ایک انگریز ہے ۔ "

" یہ لوگ یہاں کیا کرتے ہیں ۔ "

کرپال سنگھ نے پوچھا ۔

"بھگوان کو یاد کرتے ہیں۔" سادھو بولا۔

"ان جوگیوں کے نام کیا ہیں۔" کریم خان نے پوچھا۔

"سادھو بولا۔

"پہلے جوگی کا نام "ایک" ہے

دوسرے کا "دو"

تیسرے کا "تین"

چوتھے کا "چار"

اور پانچویں کو پانچ کہتے ہیں۔ وہ سب بیچ میں بیٹھا

ہے۔"

"یہ پانچوں جوگی دور دور کے ملکوں سے اس جگہ کیوں آئے

ہیں۔؟"

وکرما نے پوچھا۔

جس کام کے لئے تم آئے ہو۔"

"ہم تو موتیوں کی تلاش میں آئے ہیں۔" کابلی بولا۔ "خوبرادر تم

نے دیکھا کتنا بڑا بڑا ان گنت موتی جوگیوں کے محل میں جڑا تھا

بس ہم تو صرف وہ موتی لینے آئے ہیں۔ اور ہم کو تو بہت زیادہ

موتی بھی نہیں چاہئیں۔ بس ایک آدمی کو دس بیس موتی مل جائیں تو

ساری زندگی آرام سے گذر سکتی ہے۔"

"دس بیس تو نہیں۔ البتہ چالیس ملجائیں۔"

کرپال سنگھ بولا۔
"میں تو ایک سو موتی لوں گا۔"
کریم خان بولا۔
وکرم نے کہا۔
"میں ایک ہزار لوں گا۔"
"تم ایک ہزار لوگے۔ کرپال بولا۔ "تو میں ایک لاکھ لوں گا۔"
"موتیوں کے لئے لڑنا بیکار ہے۔ سادھو نے مسکرا کر کہا۔
"کیوں کہ ان موتیوں میں سے تم کو ایک موتی بھی نہیں مل سکتا
یہ سب موتی جوگیوں کی ملکیت ہیں۔"
"وہ جوگی لوگ تو اللہ سے لو لگاتا ہے۔" کابلی بولا۔ "وہ
موتی لے کر کیا کرے گا۔"
"کرپال بولا۔
"اچھا مندر کے موتی ہم کو مت دو۔ ہم کو اس جھیل کا اتہ پتہ
دیدو جدھر سے تم یہ موتی لاتے ہو۔"
سادھو نے کہا۔ "صبح ہونے دو۔ میں تمہیں وہ جھیل دکھا
دوں گا۔ جہاں سے یہ موتی آتے ہیں۔ مگر افسوس تم وہاں سے
بھی ایک موتی نہیں لے جا سکو گے۔"
"کیوں نہیں لے سکتے۔؟"
کابلی نے پوچھا۔

اس لئے کہ جھیل کے اندر جتنے موتی ہیں۔ وہ سب جوگیوں کے کام آتے ہیں۔

"کیا کام آتے ہیں۔؟"

کرپال سنگھ ناراض ہو کر بولا۔

"بس دیواروں پر لگا رکھے ہیں۔ ارے اس مندر میں تو اتنے موتی ہیں کہ اگر ایک ایک موتی بھی ہندوستان کے لوگوں میں بانٹ دیا جائے تو سب کی غریبی دور ہو جائے۔"

"تم نہیں جانتے۔"

سادھو نے سمجھایا۔"

"ان موتیوں کے اندر سے روشنی پھوٹتی ہے۔ جس سے عمر بڑھتی ہے۔"

"پھر۔؟"

وکرم نے حیرت سے پوچھا۔

"پھر ان ہی موتیوں کو اپنے پاس رکھ کر یہ جوگی اپنی عمر بڑھاتے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو ان جوگیوں کی عمر کیا ہوگی۔؟"

"کیا ہوگی۔؟" کریم خان بولا۔ بہت بوڑھے لگتے ہیں سنو سے اوپر کے تو ہوں گے ہی۔"

سادھو زور سے ہنس کر بولا۔ ان میں سب سے چھوٹا انگریز ہے۔ وہ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اس مندر میں آیا تھا

سب سے بڑا تپسّی ہے جو بیچ والا ہے اس کی عُمر چار سَو سال ہے ۔ باقی کی عُمر تین سو ساڑھے تین سو سال کی ہے ۔"

" جھوٹ ۔"

" نہیں ! یہ بالکل سچ ہے ۔ میں بھی سوا تین سو سال کا ہوں اس لئے ان جوگیوں کے مندر میں بچہ سمجھا جاتا ہوں ۔ تُم کو معلوم ہے یہ جوگی انہی مونیوں کے بل پر ایک ہزار سال تک زندہ رہنے کی آرزو رکھتے ہیں ۔

" ایک ہزار سال تک زندہ رہ کر کیا کریں گے ۔"

کرپال سنگھ نے پوچھا ۔

کچھ کھاتے پیتے بھی نہیں معلوم ہوتے ۔ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتے ہیں ۔ خیر اپنے کو کیا ہے جی ۔ اپنے کو جھیل جانے کا راستہ بتا دو ۔ ان جوگیوں کے سر پر خاک ڈالو ۔"

اتنا کہا تھا کہ ایک زور کا تھپڑ کرپال سنگھ کے منہ پر پڑا کرپال سنگھ نے اپنے قریب کھڑے بھالو کی طرف دیکھا اور میں تو بھول ہی گیا تھا کہ بھالو ہماری بات ٹھیک ٹھیک سمجھتے ہیں ۔"

" اب تمہیں جھیل تک جانے بھی نہیں دیا جائے گا " سادھو بڑی سختی سے بولا ۔ تم نے دیکھا نہیں تھا کہ جب میں تم کو جوگیوں کے حضور میں لے گیا تھا تو سب سے بڑے گورو نے اپنے

دائیں ہاتھ کی چھنگلی کھڑی کی تھی۔

"اس کا کیا مطلب تھا۔" وکرم نے پوچھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ان سب لوگوں کو جوگی بنا دیا جائے۔"

" جوگی ۔"

وکرم نے حیرت سے کہا۔

" بڑے گورو کی تم پر کرپا ہے ۔" سادھو نے جواب دیا۔ ورنہ تم کو جوگی کا علم کیسے ملتا۔

" یہ علم حاصل کر کے ہم کیا کریں گے ۔" کرپال سنگھ نے پوچھا۔

" تم ایک ہزار سال تک زندہ رہو گے ۔"

" وہ کیسے ۔ ؟"

سب سے پہلے تمہارے جسم کے سب کپڑے اتار دیئے جائیں گے۔ اور ایک لنگوٹی دے کر تمہیں چالیس دن تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے ہو کر ایک منتر کا جاپ کرنا ہو گا۔

" چالیس دن کھڑے ہو کر ۔ ایک منٹ کے لئے بھی نہیں بیٹھ سکتے ۔" وکرم نے پوچھا۔

" نہیں ۔ بالکل نہیں ۔"

" پھر ۔ ؟"

کریم خان نے پوچھا۔

پھر چالیس دن تک تم کو تیل کے بڑے بڑے مٹکوں میں رکھا

جائے گا۔ اور تیل گرم کر دیا جائے گا۔ اور تم چالیس دن تک ان تیل کے مٹکوں میں بیٹھ کر دوسرے منتر کا جاپ کروگے۔"

"پھر۔؟"

کرپال سنگھ نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

پھر تیسرے منتر کا جاپ شروع ہوگا۔ اور دھیرے دھیرے تمہارا کھانا بند کر دیا جائے گا۔ بیس برس کے بعد تمہارا کھانا بالکل بند ہو جائے گا اور تم صرف پانی پر زندہ رہوگے۔ چالیس برس کے بعد تمہارا پانی بھی بند کر دیا جائے گا۔ اور چوتھے منتر کا جاپ شروع ہوگا۔ پچاس برس کے بعد تمہاری تھوڑی ہوا بند کی جائے گی۔ ایک سو برس کے بعد تمہاری ہوا بالکل بند کر دی جائے گی اور تم صرف موتیوں کے اوپر زندہ رہوگے۔" اور ایک ہزار سال تک زندہ رہوگے۔"

"میں ایک ہزار سال تک زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ کرپال سنگھ خفا ہو کر بولا۔

"مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ اور میں ہر روز عمدہ سے عمدہ کھانا کھاؤں گا۔ اور میں ایک بہت اچھے گھر میں رہوں گا۔

"اور مجھ کو خانم سے شادی کرنا ہے۔" کریم خان بولا۔" اور مجھ کو آٹھ بچے چاہئیں۔ اور مجھ کو پائے بہت پسند ہیں۔

دکرمڈ نے کہا۔ میں اپنی روزی کو اپنے پاؤں میں لے کر

بال روم میں ڈانس کرنا چاہتا ہوں، کرسمس کے دن کیک کھانا چاہتا ہوں۔ اور اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر گیت گانا چاہتا ہوں اور سمندر میں کشتیاں تیرا کر مچھلیاں پکڑنا چاہتا ہوں۔"

" نہیں۔"

سادھو نے بڑی سختی سے کہا۔ "کل سے تم جوگی بنو گے۔ بڑے گورو نے حکم دیدیا ہے۔ دنیا کی تمام خواہشیں تم سے چھین لی جائیں گی۔ تمہارا کھانا پانی بند کر دیا جائے گا۔ زندگی بھر تم کسی عورت یا بچے کی صورت نہیں دیکھ سکو گے نہ تم گیت گا سکو گے۔ نہ مچھلی پکڑ سکو گے۔ تم تو سانس تک نہ لے سکو گے۔ کل سے تم بھگوان کو یاد کرو گے۔ اور ایک ہزار سال تک زندہ رہو گے۔ اور تمہارے چاروں طرف موتی ہی موتی ہوں گے۔ جن کے ملائم نور سے تمہاری آتما کو شکتی ملے گی۔ اور تم ایک ہزار سال تک۔"

کابلی نے بات کاٹ کر کہا۔

" ادخو۔ برادر دیکھو! ہم معمولی آدمی ہیں۔ بہت معمولی۔ جاہل ہم کو ایک ہزار برس نہیں چاہئیے۔ ہم کو اپنی گناہ گار زندگی کے ساٹھ ستر برس ہی کافی ہیں۔ تم ہم کو جانے دو۔ ہم جوگی دوگی نہیں بنے گا۔ ہم دوسرے جھیل کو جائے گا۔ اور دوسرے موتی نکال کر سیدھا اپنے گھر جائے گا۔

اب تم اپنے گھر زندہ تو نہیں جا سکتے۔" سادھو بولا۔ "کیونکہ اگر ہم نے تم لوگوں کو زندہ جانے دیا تو تم لوگ دوسرے لوگوں کو اس جھیل کا پتہ بتائے گا۔ اور اس طرح ہماری جھیل کے موتی دو چار ہفتوں میں ختم ہو جائیں گے۔"

"تم کو کیا فرق پڑتا ہے مہاراج۔"

کابلی بولا۔

"تمہارے سمندر میں تو لاکھوں کروڑوں موتی ٹکے ہیں۔ ہم اگر تمہاری جھیل سے دو سو چار سو موتی نکال کر لے جائے گا تو تم کو کیا فرق پڑے گا۔"

"بہت فرق پڑے گا۔"

سادھو نے کہا۔

"تم نہیں جانتے ان موتیوں کے اندر سے جو بھینی بھینی خوشبو ان کے اندر سے آتی ہے۔ وہ صرف سات دن تک باقی رہتی ہے۔ سات دن کے بعد ان موتیوں کو جوگیوں کے محل سے نکال کے پھر سے جھیل میں ڈالنا پڑتا ہے۔ اور نئے موتی دیواروں میں لگانے پڑتے ہیں۔ پرانے موتی ایک ہفتے تک جھیل میں پڑے رہنے کے بعد پھر سے اپنی طاقت اور خوشبو حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ایک ایک موتی کا حساب رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہماری جھیل سے

آج تک کوئی ایک موتی بھی نہیں لے جا سکا۔ سوائے ایک آدمی کے، جو بمبئی سے آیا تھا۔ وہ جانے کیسے ہمارے ہاتھ سے بچ گیا۔ مگر اس واقع کے بعد تو ہم نے انتظام بہت پکا کر دیا ہے اب تو ہماری جھیل سے کوئی ایک موتی بھی نکال کے نہیں لیجا سکتا۔"

چوتھا باب

موتیوں کی جھیل

دوسرے دن قافلے والوں کو جوگی بنانے کا کام شروع ہو گیا۔ پہلے دن ان سب کو کھانے کے لئے صرف دو دو روٹیاں دی گئیں۔ ایک ہفتے کے بعد صرف ایک ایک روٹی دی گئی۔ ایک ہفتے کے بعد روٹی آدھی کر دی گئی۔ قافلے والوں کی حفاظت پر سادھو مقرر تھا۔ اس نے بتایا ایک ماہ کے بعد اس آدھی روٹی کی بھی آدھی کر دی جائے گی۔ پھر ایک ماہ بعد صرف ایک چوتھائی روٹی دی جائے گی۔ پھر ایک ماہ بعد اس چوتھائی کی بھی چوتھائی کر دی جائے گی۔ آہستہ آہستہ چھ سات ماہ بعد روٹی بالکل بند کر دی جائے گی۔ اور صرف دال کا پتلا شوربہ

دیا جائے گا۔ ایک ماہ بعد شوربہ بھی کم کرتے کرتے بند کر دیا جائے گا۔ اور فاقلے والے صرف پانی پر زندہ رہیں گے۔ پانچ سال بعد پانی کی بھی مقدار کم کرتے کرتے بالکل بند کر دی جائے گی۔ اور فاقلے والے صرف ہوا پر زندہ رہیں گے۔ پھر اگلے دس سالوں میں پھیپھڑوں میں ہوا کی آمد و رفت کم کرتے کرتے اتنی کم کر دی جائے گی کہ وہ لوگ دن میں صرف پانچ بار سانس لینے کی ضرورت محسوس کر لیا کریں گے۔ اور باقی سارا وقت جھیل کے پراسرار نور پر زندہ رہیں گے۔ یہ جوگ کی آخری منزل ہے۔

اس منزل پر پہنچتے پہنچتے جو لوگ زندہ رہیں گے۔ وہ لوگ سوکھ کر کانٹا ہو جائیں گے۔ اور ان کی تمام خواہشات مر جائیں گی۔ پھر وہ صحیح معنوں میں سچے یوگی بن جائیں گے۔ اور دن میں صرف پانچ بار سانس لیتے ہوئے سینکڑوں برس زندہ رہیں گے۔"

"یارو یہ کیا تماشہ ہے۔؟"

کرپال سنگھ نے دو روٹیاں کھا کے اپنے بھوکے پیٹ پر ہاتھ مار کر کہا۔

"جب جسم کی ساری خواہشیں اور آرزوئیں مر جائیں گی۔ تو پھر اس جسم کو زندہ رکھنے سے کیا فائدہ! اس کو بھی ختم کر دو یارو!"

"گھبراؤ نہیں!" سادھو بولا۔ "جوگ کی اس منزل تک پہنچنے

پہنچتے اکثر لوگ مر ہی جاتے ہیں ۔ اب تک جتنے آدمی اس مندر تک پہنچے ہیں ۔ ان میں سے صرف یہ پانچ آدمی بچے ہیں ۔ جو جوگ کی آخری منزل حاصل کر سکے ہیں ۔ باقی اس منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی جان بحق ہو گئے ۔ تم میں سے اگر ایک بھی بچ گیا تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہوگی

" کابلی بولا۔

" مگر تم تو اچھے خاصے تندرست دکھائی دیتے ہو ۔"

" میں جوگی نہیں ہوں ۔"

سادھو بولا ۔ میں تو یہاں جوگیوں کی خدمت گزاری کے لئے کام کرتا ہوں ۔ اور پورا کھانا کھاتا ہوں ۔ ان پانچ جوگیوں کی حفاظت کے لئے یہاں بہت سے سادھو میری طرح موجود ہیں ۔ اور ہمارے نیچے بہت سے بھالو موجود ہیں ۔ جنہیں ہم نے سدھا کر اپنا غلام بنا لیا ہے ۔ اس وادی میں آنے والا کوئی آدمی ہم سے بچ کر نہیں جا سکا ۔ سوائے ایک آدمی کے جو یہاں سے چند موتی چرا لے گیا تھا ۔ جس کے پیچھے ہوئے تم لوگ آئے ہو ۔ مگر انتظام اس وقت سے بہت سخت کر دیا گیا ہے ۔ آؤ تمہیں دکھاؤں ۔"

یہ کہکر سادھو قافلے والوں کو مندر کی سب سے اوپر کی منزل پر لے گیا ۔ یہاں سے قافلے والوں کو ایک عجیب و غریب

منظر دکھائی دیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں فٹ اونچی اٹھتی ہوئی چٹانوں کا ایک گول دائرہ تھا۔ ان چٹانوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ اور سال بہ سال جمی رہتی تھی۔ اس پہاڑی سلسلے کے گول دائرے میں ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ کوئی ایک میل لمبی اور اتنی ہی چوڑی۔ اس جھیل کا پانی گلابی رنگ کا اور بے حد شفاف تھا۔ اتنا صاف شفاف تھا کہ مندر کی اس اونچی منزل سے جھیل کی تہ صاف نظر آتی تھی۔ جس پر گول گول خوبصورت موتی لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں کسی عجیب و غریب جانور کے انڈوں کی طرح رکھے ہوئے نظر آتے تھے۔ صبحدم جب وقت سورج کی کرنیں اس جھیل پر پڑتیں تو اس کے گلابی رنگ کی جھلکیوں میں جھیل کی تہ میں رکھے ہوئے لاکھوں کروڑوں موتیوں کے بدن سے ایسا نور پھوٹتا کہ معلوم ہوتا کہ سورج آسمان سے نہیں جھیل کی تہ سے نکل رہا ہے۔

اس جھیل کے چاروں طرف کے برفیلے پہاڑوں پر کوئی راستہ نہ تھا۔ کوئی پگڈنڈی نہ تھی۔ کوئی ذرہ نظر نہ آتا تھا۔ صرف ایک طرف سے راستہ تھا۔ تین طرف سے جھیل کے کنارے کنارے اونچی خوفناک چٹانیں کھڑی تھیں۔ چوتھی طرف جوگیوں کا مندر تھا۔ اور اس طرف کی چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ جو نیچے اترتی ہوئی جھیل کے پانی تک

چلی گئی تھیں۔ ان سیڑھیوں کے سوائے مندر تک پہنچنے کا اور کوئی راستہ نہ تھا۔

قافلے والوں نے بڑے غور سے اس راستے کو دیکھ لیا۔ اور یہ دیکھ کر ان کا دل بیٹھ گیا کہ سیڑھیوں کے دونوں طرف پچیس پچیس بھالو بڑے بڑے لٹھ لئے ہوئے کھڑے ہیں۔

"ان بھالوؤں سے بچ کر کوئی جھیل تک نہیں پہنچ سکتا" سادھو نے قافلے والوں کو بتایا۔

قافلے والے چپ چاپ اس خوبصورت جھیل کو دیکھتے رہے جس کی تلاش میں انہوں نے اس قدر مصیبتیں اٹھائی تھیں۔ اور جان جوکھم کا سفر اختیار کیا تھا۔ وہ جھیل کے کنارے تک آ پہنچے تھے مگر جھیل سے اب بھی اتنے دور تھے جتنے بمبئی میں تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے دیکھا کہ جھیل کی سیڑھیوں پر پانچ ہٹے کٹے سادھو ان پانچوں جوگیوں کو لے کر اترے جن کو انہوں نے کل رات مورتیوں والے ہال میں دیکھا تھا۔ سیڑھیاں اتر کے ان سادھوؤں نے پانچوں جوگیوں کو جھیل کے پانی میں اتار دیا۔ اور وہ لوگ اشنان کرنے لگے۔

" ڈکرو بولا۔

میرا جی بھی اس جھیل میں نہانے کو چاہتا ہے۔"

" اس جھیل میں صرف وہی جوگی نہا سکتے ہیں جو دن میں صرف

پانچ بار سانس لیتے ہوں۔" سادھو نے جواب دیا۔

اور قافلے والوں کے چہرے فق ہو گئے۔ جھیل تک پہنچنے کی یہ تدبیر بھی ناکام ہو گئی۔

اپنے قید خانے سے نکلنے کی انہوں نے بڑی کوشش کی مگر سادھوؤں اور بھالوؤں کا ان پر بڑا سخت پہرہ تھا۔ اور یہ پہرہ چوبیس گھنٹوں رہتا تھا۔ اس پر مسلسل فاقہ کشی کے عمل سے یہ لوگ دن بدن کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ اور اب تو ان کے لئے چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ دن بھر بھوک اور پیاس سے نڈھال پڑے رہتے اور ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند دن تک اگر اس قید خانے سے نکلنے کا راستہ نہ ملا۔ یا کوئی ان کی مدد کو نہ آیا تو فاقے کرتے کرتے یہیں پر جان دینی ہو گی۔ موت ان کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی۔

ایک مہینے کے فاقوں کے بعد جب وہ ایک دن مندر کی چھت پر بے دم اور نیم جان لیٹے ہوئے دھوپ لے رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ پہرے دار بھالوؤں میں سے ایک بھالو دوسرے بھالوں سے گلے مل رہا ہے۔

اس عجیب و غریب حرکت کو دیکھ کر کریم خان نے سادھو سے پوچھا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

سادھو بولا۔

" یہ بھالو بیمار پڑ گیا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ مر جائے اس لئے یہ بھالو مندر سے جا رہا ہے۔"

" کہاں۔؟"

" اپنے بھٹ میں۔"

" اس کا بھٹ کہاں ہے۔؟"

" اس کا بھٹ نیل ہرن کے دیش میں ہے۔" سادھو نے بتایا۔"

" یہ سب ریچھ یہاں کے نہیں ہیں۔ یہ سب نیل ہرن کے دیش سے آئے ہیں۔ جہاں نیلے ہرنوں کے گلّے پائے جاتے ہیں۔ یہ علاقہ مونیوں کی جھیل سے پرے پہاڑی سلسلے کے پیچھے واقع ہے۔ وہ اُس طرف !" سادھو نے اشارہ کر کے بتایا۔ "اور یہ سب ریچھ وہیں کے رہنے والے ہیں۔ اور ان کے یہاں رواج یہ ہے کہ جب کوئی ریچھ بیمار پڑتا ہے یا اس کی موت قریب آنے کو ہوتی ہے۔ کیوں کہ اکثر جانوروں کو اپنی موت کا علم ایک عرصہ پہلے ہی ہو جاتا ہے۔ وہ ریچھ اسی دم واپس اپنے علاقے کو چلا جاتا ہے۔ اور اپنی زندگی کے آخری دن بھٹ میں پورے کرتا ہے۔ یہ ریچھ اسی لئے یہاں سے جا رہا ہے۔ اچھا ہو گیا تو واپس آجائے گا۔ نہیں تو اپنے بھٹ میں مر جائے گا۔"

اتنا کہہ کر سادھو بھالوؤں کو وہیں چھوڑ کر نیچے کسی کام سے گیا تو کرپال ہمت کر کے اس بیمار بھالو کے قریب گیا۔ اور مسکرا کر بولا۔

"تم نیل ہرن کے دیش کے رہنے والے ہو۔؟"

"غوں۔ غوں۔"

ریچھ غرّایا۔

"جہاں جنگل کا راجہ رہتا ہے۔"

"غاں۔ غاں۔"

ریچھ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"جنگل کا راجہ۔ بہادر گار جنگ۔"

"غاں غاں غاں۔"

ریچھ دانت نکال کر مسکرایا۔

کرپال سنگھ نے اپنی جیب ٹٹول کر نیل ہرن کی کھال کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا۔ اور اسے مندر کے فرش پر دو تین بار رگڑ کر بھالو کے حوالے کر دیا۔

"اسے اپنے جنگل کے راجہ کو دیدینا۔ بہادر گار جنگ کو۔۔۔ جنگل کے راجہ کے لئے یہ میرا تحفہ ہے۔۔۔۔ ضرور دیدینا۔"

ریچھ نے کھال کے ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر کے کئی بار دیکھا نیل ہرن کی کھال کا ٹکڑا دیکھ کر اس کے دل میں اپنے وطن کی یاد ابھر آئی۔ وہ خوشی سے ناچنے لگا اور کرپال سنگھ کو بار بار اپنے

گلے سے لگانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد نیچے سے سادھو کی آواز آئی اور بھالو اپنے ساتھیوں سے رخصت ہو کر نیچے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد عبدالرحمٰن کابلی نے پوچھا۔" ارے یار میرے یہ تو نے کیا کیا۔ تمہاری بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

" کرپال نے مسکرا کر کہا

" میں نے جنگل کے راجہ گارجنگ کو ایک تحفہ بھیجا ہے۔"

وکرم بولا۔

" یہ تحفہ بھیجنے کا کون سا وقت ہے۔ یہاں ہم بھوک سے مر رہے ہیں۔"

کریم خان نے پوچھا۔

" اور یہ نیل ہرن کی کھال کا ٹکڑا تو نے کہاں سے لیا۔؟"

" ایک دفعہ راستے میں ادھر آتے ہوئے جب ہمیں باسوچی قبیلے کی عورتوں نے ہمیں قید کر لیا تھا۔ اور جہاں پر ہماری ملاقات جنگل کے راجہ گارجنگ کی بہن شینا سے ہوئی تھی۔ جو اس نیل ہرن کی کھال کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ میں نے شینا کے لباس سے کھال کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ لیا تھا۔

" کیوں کاٹ لیا تھا۔"

کریم خان نے پوچھا۔

شینا مجھے بہت اچھّی لگتی تھی۔ اس لئے "کرپال نظریں جھکا کر بولا۔ اس لئے میں نے ایسا کہا کہ اس کی کوئی نشانی تو میرے پاس رہ جائے۔"

"تو اب تو نے یہ نشانی ریچھ کے حوالے کیوں کی۔" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"تم سمجھتے نہیں!" کرپال نے کہا۔ "میں نے ایک چانس لیا ہے۔ میں نے ہرن کی کھال کا یہ ٹکڑا جس میں شینا کے بدن کی بو بسی ہوئی ہے۔ ریچھ کے حوالے اس لئے کیا ہے کہ وہ جاکر اپنے جنگل کے راجہ گارجنگ کو دیدے۔ اگر اس ریچھ نے دیدیا جیسا کہ میرا خیال ہے وہ ضرور دے گا۔ تو جنگل کا راجہ اس ٹکڑے کو سونگھتے ہی فوراً معلوم کرلے گا کہ یہ ٹکڑا اس کی بہن کے لباس سے کاٹا گیا ہے۔ اس سے اس کو فوراً خیال ہوگا کہ ضرور اس کی بہن کی جان خطرے میں ہے۔ اور اسے جنگل کے راجہ کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ بھاگا بھاگا ہماری مدد کو آئے گا۔

"مگر اُسے کیا معلوم کہ ہم لوگ کہاں پر ہیں۔" کابلی نے پوچھا۔

"اس لئے میں نے اُس کھال کو دو تین مرتبہ مندر کے فرش کی مٹّی سے رگڑ دیا ہے۔ جنگل کا راجہ اُس کھال کو سونگھ کر معلوم کرلے گا کہ یہ کس علاقے کی مٹّی کی بُو ہے

کابلی نے تعریفی نگاہوں سے کرپال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا بھائی تمہارے بھتیجے میں اتنی عقل ہے"
اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ وہ ریچھ تمہارا تحفہ جا کے جنگل کے
راجہ کو دیتا ہے کہ نہیں دیتا ہے۔"

کھالو کو گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اور اس ہفتے میں ہر روز قافلے والے جنگل کے راجہ کا انتظار کرتے رہے اور ٹکٹکی لگائے شمال کے پہاڑوں کی طرف دیکھتے رہے۔ جن کے پیچھے نیل ہرن کا علاقہ تھا۔ جدھر سے جنگل کا راجہ آنے والا تھا لیکن جب انتظار کرتے کرتے سات دن گزر گئے۔ اور جنگل کا راجہ نہ آیا۔ اور نہ کسی دوسری طرف سے کوئی مدد کرنے کے لئے آیا تو وہ مایوس ہو گئے۔

"ممکن ہے۔" دکرڑ بولا۔ "اس ریچھ نے تمہارا تحفہ گار جنگ کو دیا نہ ہو۔"

"یا راستے ہی میں اس نے کہیں گرا دیا ہو۔" کریم خان بولا۔

"اور برادر۔" کابلی بولا۔ "یہ کرپال اپنا یار تو بڑا احمق ہے۔ اس کھال کے ایک ٹکڑے پر ساری امیدیں لگائے بیٹھا۔ میرا تو خیال ہے ریچھ بیمار تھا۔ گھر جاتے جاتے کہیں راستے ہی میں مر مرا گیا ہوگا اب تم بھی خدا کا نام لو اور مرنے کی تیاری کرو۔"

یکایک بڑے زور کی گھڑگھڑاہٹ ہوئی۔ جیسے کہیں بادل گرجا یا ایک ساتھ بہت سی توپیں چھوٹ گئیں۔ بڑے زور کی دھمک محسوس ہوئی اور مندر کی دیواریں اس دھمک سے کانپ گئیں۔ مندر کے چھت کے فرش سے اٹھ کر ان لوگوں نے جلدی جلدی جھیل کے اس پار کے پہاڑوں پر نگاہ ڈالی۔ تو انہیں ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔

سامنے کے شمالی پہاڑ کی چوٹی پر انہیں چند لمحوں کے لئے ایک سنہرہ گھوڑا دکھائی دیا۔ جس پر نیلے ہرن کی کھال پہنے ہوئے ایک خوبصورت نوجوان سوار تھا۔ پھر زور سے ایک اور تڑاکہ ہوا اور پھر مندر کی دیواریں کانپ گئیں۔ اور جہاں پر وہ نوجوان گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ اس کے قریب توپ کا ایک گولہ آکے پھٹ گیا۔ اور سنہری گھوڑا اچھل کر پرے ہو گیا۔ گھوڑے پر سوار نوجوان نے اپنا ایک ہاتھ بلند کیا۔ اور زور سے چلایا۔

"دھارا — دھارا — وہ مارا۔"

اور اس کی مضبوط گرجدار آواز پہاڑی سلسلوں میں چاروں طرف گونج گئی۔ اور عین اسی وقت اس پہاڑ کی چوٹی کے پیچھے سے سینکڑوں بھالو نکل پڑے۔

"جنگل کا راجہ۔" کرپال خوشی سے چلایا۔

بہادر گا رجنگ۔" کریم خان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" کابلی دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر بولا۔ وکرما حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہ نوجوان سنہرے گھوڑے پر سوار سینکڑوں بھالوؤں کو لئے ہوئے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترتا ہوا جھیل کی طرف یلغار کر رہا تھا۔ اس کے اردگرد توپ کے گولے چھوٹ رہے تھے۔ اور وہ ان سے بچنے کی فکر کئے بغیر۔ تیر کی طرح سیدھا جھیل کے کنارے کی طرف اپنے بھالوؤں کی فوج کو لئے ہوئے اڑا چلا آرہا تھا۔ توپ کے دو تین گولے اس کے قریب آکے پھٹے۔ اور اس کے کئی بھالو زخمی ہوئے یا مر گئے۔ مگر وہ اسی بہادری اور برق رفتاری سے اپنے گھوڑے پر سوار تیر کی طرح سنسناتا ہوا نیچے اتر کر جھیل کے کنارے آگیا۔ اور بلا خوف وجھجک اس نے اپنے گھوڑے کو جھیل کے پانی میں ڈال دیا۔ اور دوسرے لمحے ہی سینکڑوں بھالو بھی اس کے پیچھے پیچھے جھیل میں کود پڑے۔ اور تیرتے ہوئے مندر کی سیڑھیوں کی طرف آنے لگے۔

مندر کی سیڑھیوں پر پجاری اور سادھو لوگ اپنے بھالوئے مقابلے کے لئے کھڑے تھے۔ اور مندر کی اوپر کی چھت سے قافلے والے حیرت سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔

پجاریوں کے پاس بندوقیں تھیں۔ اور بھالوؤں کے پاس ڈنڈے۔ جب گارجنگ جھیل کے اس کنارے کے قریب آیا۔ جہاں مندر کی سیڑھیاں تھیں۔ تو پجاریوں نے تان کر اس پر بندوق چلائی۔ لیکن بندوق چلنے سے پہلے ہی سنہرا گھوڑا پانی میں سوار سمیت غوطہ مار گیا۔ اور پانی کے اندر ہی اندر قافلے والوں نے دیکھا کہ گارجنگ اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے اتر گیا اور گھوڑے کو اس نے کچھ اشارہ کیا۔ جسے سمجھتے ہی گھوڑا پانی کے اندر ہی اندر تیرتے ہوئے ڈبکی لگاتے ہوئے واپس دوسرے کنارے کی طرف چلا گیا۔ جدھر سے وہ آیا تھا۔

پجاری بندوقیں چلا رہے تھے۔ گارجنگ کے کئی بھالو زخمی ہو چکے تھے۔ کئی مر گئے تھے۔ پھر بھی سینکڑوں بھالو اپنے جنگل کے راجہ کے پیچھے پیچھے تیرتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔

جھیل کا پانی بھالوؤں کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

سادھو اور پجاری بندوقیں تانے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اتر کر دوڑتے ہوئے جھیل کے کنارے پر پہنچ گئے۔

" خبردار!" ایک سادھو نے بندوق تان کر کہا۔ ایک قدم آگے بڑھے تو گولی سے مار دیئے جاؤ گے۔"

مگر ریچھ برابر بڑھتے آ رہے تھے۔ اور اب گارجنگ کا پانی میں کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کے ریچھوں نے اپنے راجہ

کہیں اپنے غول میں چھپا لیا تھا۔ اور اب وہ دس دس بارہ بارہ کے غول میں تیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ دوسرے لمحے وہ ریچھ اچھل اچھل کر کنارے پر آنے لگے۔ اور پجاریوں کی بندوقوں کا نشانہ بننے لگے۔

اب بڑے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ گولیاں کھاتے کھاتے بھی ریچھ آگے بڑھ رہے تھے۔ پہلے دس بیس کی تعداد میں پھر ان کے پیچھے سو ڈیڑھ سو کی تعداد میں۔ اور ان کے پیچھے ڈیڑھ ڈھائی سو کی ملکڑی چلی آ رہی تھی۔ جیسے کالے کالے دیوؤں کی لمبی قطار حملہ کرنے کے لئے چلی آ رہی ہو۔ لیکن گارجنگ کا کہیں پتہ نہ تھا ان کالے کالے لمبے لمبے بالوں والے سیاہ ریچھوں نے اپنے کسی گھیرے میں جنگل کے راجہ کو چھپا لیا تھا

گولیاں کھاتے ہوئے مرتے اور زخمی ہوتے ہوئے بھی ریچھ بڑھتے بڑھتے مندر کی سیڑھیوں تک آ گئے۔

یکایک قافلے والوں نے دیکھا کہ مندر کے بالکل قریب آ کر ریچھوں کے غول سے نیل ہرن کی کھال پہنے ہوئے جنگل کا راجہ اچھل کر آگے بڑھا اور بندوق تانتے ہوئے پجاری کو جو اس نے زور سے تھپڑ رسید کیا ایک ہاتھ سے اور دوسرے ہاتھ سے دوسرے پجاری کو جو گھونسہ مارا تو ان دونوں پجاریوں کے ہاتھوں سے بندوقیں گر پڑیں اور وہ دونوں لڑھکتے لڑھکتے مندر کی سیڑھیوں

سے گرتے گرتے نیچے جھیل کے پانی میں جا کر گر گئے۔

" دھارا۔ دھارا۔ وہ مارا۔" جنگل کا راجہ زور سے چلایا۔

اور اس کی آواز سنتے ہی ریچھ چاروں طرف سے پل پڑے اور انھوں نے سادھوؤں اور ان کے سدھائے ہوئے بھالوؤں کو مار مار کر وہیں مندر کی سیڑھیوں پر بچھا دیا۔ اور پھر قافلے والوں نے دیکھا کہ ریچھوں نے سب بندوقیں اپنے قبضہ میں کر لی ہیں اور اب وہ بہادر گارجنگ کے پیچھے پیچھے مندر کے دروازے کے اندر گھسے چلے آ رہے ہیں۔

چند گھنٹوں میں سب امن وامان ہوگیا۔ سب سادھو پکڑے گئے تھے۔ اور وہ پانچوں جوگی بھی قید کر لئے گئے تھے۔ اور قافلے والوں کو آزادی بخش دی گئی تھی۔ اور آج پہلی بار کتنے دنوں بعد پورا کھانا نصیب ہوا تھا۔

مگر ابھی تک وہ بہت کمزور تھے۔ اور خود سے چل نہ سکتے تھے۔ اس لئے گارجنگ نے ان سے کہا۔

" میرا خیال ہے۔ مجھے چھ سات دن تمہارے لئے یہاں رکنا پڑے گا۔ چھ سات دن خوب کھاؤ پیو۔ تاکہ سفر کرنے کے قابل بن سکو۔"

" کرپال سنگھ نے کہا۔

" کیا تمہیں وہ کھال کا ٹکڑا مل گیا تھا۔؟"

"نہ ملتا تو میں یہاں تک کیسے آتا۔" گارحنگ نے اس سے کہا۔ مگر میں اس کھال کے ٹکڑے کو سونگھ کر دو دن تک مغالطہ میں رہا۔ کبھی تو اس کھال کے ٹکڑے سے میری بہن کے جسم کی بو آتی اور کبھی کسی اجنبی کی بو۔"

"وہ میرے جسم کی بو تھی۔" کرپال بولا "کیونکہ وہ کھال کا ٹکڑا کئی دن سے میری جیب میں رکھا تھا۔

اس لئے دو دن میں فیصلہ نہ کر سکا کہ کیا کروں۔ کیا نہ کروں گارحنگ بولا۔ اور پھر جب میں نے اسے اچھی طرح سے سونگھا تو اس کھال میں شینا کے جسم کی بو اور تمہارے جسم کی بو کے علاوہ ایک اور بو محسوس ہوئی۔ جو اس علاقے کی بو تھی۔ اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میری بہن ترائی کا علاقہ چھوڑ کر اس برفیلے علاقے میں کیا کرنے کے لئے آ گئی

"تمہاری بہن تو ادھر آئی بھی نہیں۔" کرپال بولا "وہ میں نے ایک روز اس کے لباس سے نیل ہرن کی کھال کا یہ ٹکڑا کاٹ لیا تھا۔ اور اب اس موقعے پر وہ کام آ گیا۔ تم نہ آتے تو ہماری جان نہ بچتی۔

"تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو۔"

کابلی نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

قصہ سن کر گارحنگ بولا۔ لالچ میں تہذیب کے ماحول

میں رہنے والا انسان کبھی کبھی جانور سے بڑھ جاتا ہے۔ آپ سب لوگ بمبئی میں اپنا اپنا کاروبار کرتے سکتے اور روزی کماتے تھے مگر نہیں۔ آپ کو ادھر موتیوں کے لالچ میں آنا تھا۔ اور میرے تیس چالیس بھائیوں کی جان گنوانا تھا۔"

جنگل کے راجہ کو غصہ آرہا تھا۔ پھر اچانک رک کر پوچھنے لگا۔

"یہ توپیں کہاں سے چھوٹ رہی تھیں۔

ایسا لگتا تھا کہ مندر کے اندر سے چلائی جارہی تھیں۔"

ڈکرٹ بولا۔ مگر ہم جب سے آئے ہیں۔ مندر کے کسی حصے میں توپیں نہیں دیکھیں۔"

" میں معلوم کروں گا۔" گارجنگ بپھر کر بولا۔ اور اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

شام کو وہ ان سے پھر ملا کہنے لگا۔" میں نے سب معلوم کر لیا ہے۔ بڑے ہال کے اوپر کے کمرے جس کی کھڑکیاں جھیل کی طرف کھلتی ہیں۔ اس میں یہ توپیں لگی ہیں۔"

مگر اس کمرے میں تو بدھ کے دو بڑے بڑے آہنی بُت ہیں۔ جن کے منہ کھلے ہوئے ہیں۔" کرپال بولا۔

آہنی بتوں کے اندر وہ توپیں چھپا کے گاڑی لگی ہیں۔ اور اس طرح سے بدھ کا جو جسم ہے وہ گویا توپ کا جسم ہے اور

جو مہا تما بُدھ کا منہ ہے وہ توپ کا دہانہ ہے۔

قافلے والے یہ سن حیرت میں رہ گئے۔

گارجنگ نے افسوس سے سر ہلا کر کہا۔ اُن لوگوں نے مہا تما بُدھ کو بھی خون بہانے کے لئے استعمال کر لیا۔ سچ ہے انسان اپنی غرض کا بندہ ہے۔ اسی لئے تو میں جنگل میں رہنا پسند کرتا ہوں۔"

پھر وہ رنج و غم سے سر ہلاتا ہوا ان کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔

رات کو مندر کے ہال میں اس نے سب سادھوؤں اور قافلے والوں کو اکٹھا کیا۔ یہ وہی ہال تھا جہاں پہلی بار قافلے والوں نے جوگیوں کو دیکھا تھا۔ جوگی اب بھی اپنی اپنی محراب کے نیچے بیٹھے تھے۔ ایک کونے میں سادھو بٹھائے گئے تھے اور چاروں طرف جنگل کے راجہ کے بھالو کھڑے تھے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو جنگل کے راجہ نے کہنا شروع کیا۔

" بڑی عجیب بات ہے کہ آپ لوگ اس وادی میں دنیا سے الگ تھلگ تپسیا کرنے آئے تھے۔ اور آخر میں غریب جانوروں کا خون کر بیٹھے۔ آپ نے اپنے مندر میں توپیں گاڑیں۔ اور جھیل کے موتیوں کے محافظ بن بیٹھے۔ تاکہ آپ کئی سال تک

زندہ رہ سکیں ۔ میرا اندازہ ہے کہ اس جھیل کی تہ میں لاتنے
موتی موجود ہیں کہ انہیں اگر ہندوستان سے باہر لیجاکر بیچا
جائے تو ان سے اتنی دولت حاصل ہو سکتی ہے ۔ کہ ہر
ہندوستانی بچے کو دسویں جماعت تک مفت پڑھایا جاسکتا
ہے ۔ یا ہر بے گھر کے لئے ایک گھر مہیا کیا سکتا ہے ۔ یا ہر بھوکے
کو ایک سال تک دو وقت روٹی دی جا سکتی ہے
مگر اس جھیل کے موتیوں کی ساری دولت پانچ جوگیوں
کے لئے محفوظ کر دی گئی ہے ۔ تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ عرصے
تک جی سکیں ۔ کیا فائدہ ——— ؟ اس زندگی کا جو کسی دوسرے
کے کام نہ آسکے ۔"

وہ سوال کر کے چپ ہو گیا ۔ مگر جوگی چپ چاپ بیٹھے
رہے ۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا ۔ جیسے انھوں نے کچھ سنا نہ ہو ۔"
جنگل کے راجہ نے اپنے قریب کھڑے ہوئے بھالو کو
ایک اشارہ کیا ۔ اور اشارہ پاتے ہی پیچھے سے دس بارہ بھالو
آگے بڑھے ۔ ان کے ہاتھوں میں مٹی کے چھوٹے چھوٹے
کوزے تھے ۔ جن میں سیاہ رنگ کا گاڑھا تیل بھرا ہوا تھا ۔
" میں اپنا وقت یہاں زیادہ عرصے تک ضائع نہیں کر سکتا
کیوں کہ جنگل کے بھالو میرے غلام نہیں ہیں ۔ میرے دوست ہیں
اور میں اپنے دوستوں کو اس قدر لالچی جوگیوں کے لئے انہیں روک

سکتا۔ جو لاکھوں آدمیوں کا ثواب کمانے کے بجائے اپنی زندگی بڑھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر اس نے قافلے والوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔" میں اپنے دوستوں کو ان لالچی آدمیوں کی لئے بھی نہیں روک سکتا۔ جو اس جھیل سے ساری دنیا کی دولت سمیٹنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے میں اس منحوس مقام پر سات دن سے زیادہ نہیں رکوں گا۔ ان سات دنوں میں میرے دوست کھالو ان جوگیوں اور قافلے والوں کے جسم پر اس سیاہ تیل کی مالش کریں گے۔ اور ایک خاص جڑی بوٹی کا رس پلائیں گے۔ اور اس تیل اور رس سے یہ ہوگا کہ ان سینکڑوں برسوں کے فاقے سے مارے ہوئے جوگیوں کے جسم میں پھر سے طاقت آجائے گی۔ اور وہ میرے ساتھ سفر کرنے کے لائق ہو جائیں گے۔ سات دن کے بعد آپ سب لوگوں کو لے کر میں یہاں سے چل دوں گا۔ کسی ایک کو بھی یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ نہ کسی کو یہاں سے ایک موتی تک لے جانے دوں گا۔ کیوں کہ تم سب لالچی اور خود غرض ہو۔"

کرپال سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ہم کو نہیں چاہیئں یہ موتی ان کی دھن دولت۔ ہم کو واپس اس علاقے سے نکال کر کسی طرح اس برفیلے علاقے سے نکال کر نیچے ترائی میں پہنچا دو۔" تاکہ ہم

بھی جا سکیں۔ اپنے گھر والوں میں۔ ہم کو اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیئے۔"

دوسرے قافلے والوں نے بھی اسی طرح حامی بھری۔ تو گارجنگ کو یقین آگیا۔ بولا۔

"اگر میری شرطیں منظور ہیں تو خیریت سے واپس بھیجنے کا ذمہ میں لیتا ہوں۔"

اس پر قافلے والوں نے پھر اسبات میں سر ہلایا۔

٭

سات دن تک جوگیوں کی کاڑھے تیل سے مالش ہوتی رہی ۔
اور جڑی بوٹیوں کا رس انہیں ہر روز تین وقت پلایا جاتا رہا
شروع شروع میں قطرہ قطرہ کر کے ان کے گلے میں ٹپکایا جاتا
رہا ۔ پھر گلاس بھر بھر کے انہیں دیا جانے لگا ۔ اس رس اور مالش
سے تین چار روز ہی میں ان کی کایا کلپ ہونے لگی ۔ ان کی
ہڈیوں کے ڈھانچے گوشت سے بھرنے لگے ۔ جسم میں طاقت
آنے لگی ۔ اور اتنے زور کی بھوک محسوس ہونے لگی کہ وہ
دن میں چار پانچ دفعہ کھانا مانگنے لگے ۔ اور جب جسم میں طاقت
آئی اور بھوک محسوس ہونے لگی تو جسم کی دوسری خواہشیں اور
آرزوئیں ابھرنے لگیں ۔ اور وہ جوگی جو دن میں صرف پانچ
بار سانس لیتے تھے ۔ اور سردیوں میں سونے والے مینڈکوں کی
طرح بے سدھ اور بے ہوش پڑے رہتے تھے ۔ اب چلنے پھرنے
لگے [illegible] اور کھانا اور پہننے کے گرم کپڑا مانگنے لگے ۔ سات

دن میں وہ اس قدر ہٹے کٹے اور تگڑے ہو گئے کہ باقاعدہ چلنے پھرنے اور سفر کرنے کے لائق ہو گئے۔ قافلے والوں ان جوگیوں کی کایا کلپ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔

گارجنگ نے ان سے کہا۔ "جنگل کی جڑی بوٹیوں میں اتنی طاقت تو نہیں ہوتی ہے کہ وہ بڈھوں کو سینکڑوں برس کی زندگی دے سکیں۔ لیکن اتنی طاقت ضرور ہوتی ہے کہ بڈھوں کو پھر سے جوان اور طاقتور بنا سکیں۔ شہروں کے گھٹے ہوئے ماحول میں رہنے والے انسان بہت جلد کمزور اور بڈھے ہو جاتے ہیں۔ اور جنگل میں رہنے والے جانور آخر وقت تک تندرست اور مضبوط رہتے ہیں۔"

چونکہ سانس کا رشتہ جسم سے رہا۔ چاہے وہ دن میں پانچ ای بار کا تھا۔ اس لئے جسم کا رشتہ زندگی اور موت سے کٹ نہیں سکا۔ خواہشوں اور امیدوں کو اپنے دل سے نکال کر دھیان میں مگن ہو جانے والی بات جو جوگیوں نے چاہی تھی وہ کبھی پوری نہ ہوئی۔ کیوں کہ جسم میں طاقت آتے ہی خواہشیں پھر ابھرنے لگی تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ خواہشیں مری نہیں تھیں سو رہی تھیں جسم کے پوری طرح جاگتے ہی وہ بھی جاگ گئیں پھر اس طرح موت اور زندگی کے درمیان لٹکنے سے کیا فائدہ جوگیوں نے اپنی غلطی مان لی۔ اور اب وہ واپس اپنے اپنے

ملک میں جانے کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔

چھٹے دن گارجنگ یکایک مندر سے غائب ہو گیا۔ اور دن دن بھر کہیں نظر نہیں آیا۔

ساتویں دن قافلے والوں نے دیکھا کہ وہ جھیل میں اپنے سنہرے گھوڑے پر سوار تیرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ اور اس نے اپنی پیٹھ پر بانس کی کھپچیوں کے بنے ہوئے دو بڑے بڑے ڈھول اٹھا رکھے ہیں۔ کنارے پر پہنچ کر اس نے اپنے گھوڑے کو مندر کی سبز جھیل پر کھڑا کیا۔ اور خود دونوں طرف ڈھول اٹھائے ہوئے مندر کے اندر آگیا۔

وکرم اور کابلی نے جلدی سے آگے بڑھ کر تھاما۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ وہ ڈھول ڈھائی تین تین من کے وزن سے زیادہ بھاری تھے۔ جنہیں گارجنگ نے کھلونوں کی طرح اٹھا رکھا تھا۔

"ان میں کیا ہے۔؟"

کرپال نے پوچھا۔

"ایک طرح کا تیل ہے۔"

"کس لئے۔؟"

اس جھیل کا پانی اتنا ٹھنڈا ہے۔" گارجنگ بولا" کہ انسان کا جسم دس منٹ تک اس کے اندر رہے تو برف کی طرح جم سکتا ہے۔ لیکن اس تیل کو اپنے جسم پر ملنے سے جسم نہیں جمے گا۔ اور

آپ لوگ بڑے مزے سے جھیل کو پار کر لیں گے۔ اور پھر شمالی پہاڑوں پر چڑھ کر میرے علاقے میں پہنچ جائیں گے۔ جہاں سے میں آپ کو نرائی کے علاقے میں لے جاؤں گا۔"

جوگیوں اور قافلے والوں نے سر جھکا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

سب سامان تیار کر کے گارجنگ نے کوچ کا حکم دیا۔

جوگیوں اور سادھوؤں اور قافلے والوں نے گارجنگ کے کہنے کے مطابق اس تیل کو اچھی طرح سے اپنے بدن پر لگا لیا۔

اور پھر سب لوگ جھیل میں کود پڑے۔

جنگل کے راجہ کی سواری واپس جا رہی تھی۔

سینکڑوں بھالو ان کے ساتھ تھے۔

اور یہ قافلہ ایک نرالی شان کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

سادھو اور قافلے والے جھیل میں تیرتے جا رہے تھے۔

ان کے قدموں کے نیچے دنیا کا سب سے قیمتی خزانہ تھا۔

چمکتے ہیرے [illegible]

کبوتروں کے انڈے جتنے بڑے - دودھیا اور چمکتے ہوئے موتی ان کے پاؤں کے نیچے پڑے تھے - اور وہ یہ ساری دولت اسی جھیل میں جنگل کے راجہ کے حکم پر چھوڑے جا رہے تھے۔

جنگل کا راجہ اپنے سنہری گھوڑے پر سب سے پیچھے آ رہا تھا۔

اس کی نظر ہر آدمی پر تھی - کرپال سنگھ کا جی چاہا کہ وہ ڈبکی لگا کر دو تین موتی اٹھا کر چھپا لے۔ مگر جنگل کا راجہ پیچھے پیچھے تیرتا ہوا آ رہا تھا - اور اس کی نظر سب پر تھی - اور اس کے بھالوؤں کی نظریں بھی جوگیوں سادھوؤں اور قافلے والوں پر جمی ہوئی تھیں - اس لئے کسی ایک کی ہمت نہ ہوئی کہ جھیل میں سے ایک موتی بھی چرا لے۔

جنگل کے راجہ کے سنہرے گھوڑے کے گلے میں جھیل کے موتیوں کا ایک سنہرا ہار پڑا ہوا تھا اور اس ہار کے نور سے آنکھیں چکا چوندھ ہوئی جا رہی تھیں -

گار جنگ نے کہا۔ "

یہ ہار میں نے خود اپنے گھوڑے کے گلے میں ڈالا

ہے۔ کیوں کہ دُنیا میں اپنی نسل کا یہی ایک گھوڑا ہے۔
اس لئے اس گھوڑے کو زیادہ سے زیادہ عرصے
تک جینے کا حق ہے۔ اسی لئے میں نے اس کے
گلے میں موتیوں کا ہار ڈالا ہے۔"

سورج کی روشنی میں یہ ہار اس طرح چمک رہا تھا
گویا کسی نے ستارے پرو کر گلے میں ڈال دیئے ہیں۔

جھیل پار کرکے سارا قافلہ دوسرے کنارے پہنچا
اور پھر بھالوؤں کی مدد سے شمالی چٹانیں چڑھنے لگا
ایک ایک بھالو نے ایک ایک آدمی کو اٹھالیا۔اور
چند گھنٹوں میں وہ لوگ خطرناک چڑھائی چڑھ کر
شمالی پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔ اگر بھالو ساتھ میں
نہ ہوتے تو یہ خطرناک چڑھائی تین دن میں بھی نہ چڑھی
جاتی اور شاید کئی جانوں کا نقصان ہوتا۔ لیکن جنگلی
بھالوؤں کی مدد سے وہ لوگ چند گھنٹوں کے سفر کے
بعد شمالی پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے۔

اس پہاڑ کی چوٹی سے دو ہی راستے جاتے تھے
ایک راستہ تو شمالی پہاڑوں کے سلسلے سے ہوتا
ہوا جنگل کے راجہ کے علاقے کو جاتا تھا اور دوسرا مشرق
کی جانب تہائی کر علاقے کو جاتا تھا پہاڑ کے نیچے جنوب میں موتیوں کی جھیل اتنی دور سے ایسی

چھوٹی اور پیاری نظر آرہی تھی گویا کسی نے برف کی کٹوری میں گلاب کا پھول رکھ دیا ہو۔ کرپال سنگھ کا جی پھر سے واپس جانے کو للچانے لگا۔ اگر اسے اس جھیل کے دس موتی بھی مل جائیں۔ ان لاکھوں کروڑوں موتیوں میں دس موتیوں کی اوقات ہی کیا ہے۔ اور صرف دس موتی اٹھا لینے سے کسی کا کیا جائے گا۔ مگر ...
..... کیا کریں۔

وہاں مندر میں جوگی مارے ڈالتے تھے۔ یہاں جنگل کا راجہ ایک موتی تک نہیں اٹھانے دیتا۔ اور اپنے گھوڑے کو موتیوں کا ہار پہنا رہا ہے ۔ عجیب مصیبت ہے۔"
شمالی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچکر، گار جنگ نے اپنے جنگل کے کھاوؤں کو رخصت کیا۔

" بے چارے سات دنوں سے اپنے گھر بار چھوڑے میرے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ لیکن ہم ہر طرح سے محفوظ ہیں اس لئے میں ان کو واپس کئے دیتا ہوں۔" اور خود آپ کے ساتھ راستہ دکھانے کو چلتا ہوں۔"

" جیسی آپ کی مرضی۔"

کرپال سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

" ورنہ اگر آپ ہمیں راستہ بتا دیں تو ہم خود چلے

جائیں گے۔"

اگر آپ خود میرے بتائے ہوئے راستے پر گئے تو شاید ڈیڑھ ماہ میں بھی ترائی کے علاقے تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن اگر میں آپ کے ساتھ گیا تو چھوٹے راستوں سے لیجاکر آپ کو پانچویں دن ترائی کی سرحد پر کھڑا کر دوں گا۔"

جوگیوں، سادھوؤں اور قافلے والوں نے پھر راجہ کا شکریہ ادا کیا

گار جنگ نے تالی بجاکر بھالوؤں سے کہا۔

"ڈھم دھم ڈراسں، ہم ہم جھلاسں۔ پاکو پاکو۔"

یہ سنتے ہی سب بھالو تتر بتر ہو گئے اور تیزی سے بھاگتے ہوئے شمالی پہاڑوں کی جانب بھاگ کر جنگلوں میں غائب ہو گئے۔

اب جنگل کا راجہ قافلے والوں کے ساتھ اکیلا کھڑا تھا۔

"کرپال سنگھ نے پوچھا۔

"جناب آپ نے بھالوؤں سے کیا کہا۔؟"

"یہ جنگل کی زبان ہے۔"

گار جنگ بولا۔ میں نے جنگل کی زبان میں بھالوؤں سے

واپس جانے کے لئے کہا۔ اور وہ لوگ چلے گئے۔"

"محض ڈھم ڈھم ڈراس کہنے سے ریچھ واپس جاتے ہیں۔ کمال ہے صاحب۔" وکٹر بولا۔

گارجنگ نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے نتھنے پھلا کر چاروں طرف ہوا میں سونگھا۔ پھر قافلے والوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک طرف چل پڑا

———— ✻ ————

دن بھر قافلہ گار جنگ کی رہنمائی میں مختلف پہاڑی گھاٹیاں اُترتا اور چڑھتا رہا۔ تیسرے پہر کے قریب قافلہ گھنے جنگلوں میں سے گزر کر ایک خوبصورت وادی کے قریب پہنچا۔

دور سے یہ وادی بے حد خوبصورت نظر آتی تھی۔ زمین پر جہاں تک نظر دوڑاؤ۔ پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور ہر رنگ کے پھول تھے گلابی۔ عنابی۔ سبز اور نارنجی پیلے اور نیلے دھنک میں جتنے رنگ ہوتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ ہر رنگ ان پھولوں میں تھے۔ اور زمین پر چاروں طرف ان پھولوں کے تختے کھلے ہوئے تھے۔ اور جی چاہتا تھا کہ آدمی سب کام چھوڑ کر ان پھولوں کے تختوں میں چلا جائے اور لوٹ لگائے۔

اس وادی کے بیچوں بیچ ایک پگڈنڈی بنی ہوئی تھی۔ جو وادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتی تھی۔ اور اس پگڈنڈی کے دونوں طرف پھول ہی پھول تھے۔

جب وہ لوگ وادی کے بالکل قریب پہنچ گئے تو گار جنگ نے مڑ کر قافلے والوں سے کہا۔

"سب لوگ اپنے اپنے منہ پر کوئی کپڑا باندھ لیں، اور پگڈنڈی پر سیدھے میرے پیچھے پیچھے چلیں۔ کوئی ادھر ادھر نہ دیکھے۔ نہ پھولوں کے قریب جائے نہ انہیں سونگھنے کی کوشش کرے۔ سیدھا میرے پیچھے پیچھے چلا آئے۔ سمجھ گئے۔"

سب نے اس بات میں سر ہلایا۔
گارجنگ نے اپنے منہ پر ناک پہ کھال کی ایک پٹی باندھ لی۔
دوسرے لوگوں نے بھی اس کی دیکھا دیکھی ڈھاٹے باندھ لئے۔
گارجنگ نے اپنے گھوڑے کی پیٹھ کو تھپتھپایا اور آگے جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ اور گھوڑا پگڈنڈی پر ہو لیا۔
گھوڑا بہت آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے سنبھال سنبھال کر قدم اٹھا رہا تھا۔
قافلے والوں کو بھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پگڈنڈی کی زمین بڑی کچی ہے۔ اور ان کے پاؤں کے نیچے ڈولتی ہے۔
وہ بھی احتیاط سے سر جھکائے پگڈنڈی کی طرف نظر رکھے ہوئے اور ادھر اُدھر کہیں نہ دیکھتے ہوئے گھوڑے کے پیچھے آ رہے تھے
گھوڑے کے منہ پر بھی ہرن کی کھال کا ایک ڈھاٹا بندھا ہوا تھا۔
قافلے والوں کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔ کہ آخر

ان پھولوں کی طرف دیکھنا اور سونگھنا کیوں منع ہے۔

ایک سادھو نے ہمت کر کے پھولوں کی طرف دیکھا اسے وہ رنگا رنگ پھول بڑے خوبصورت معلوم ہوئے اس کا جی ان پھولوں میں جا کر لوٹ لگانے کو چاہنے لگا۔

مگر اس وقت اپنی نگاہیں پھولوں کی طرف سے ہٹا لیں۔ اور پگڈنڈی پر نظریں جمائے چلنے لگا۔

دوسرے سادھو نے اس کی دیکھا دیکھی پھولوں کی طرف دیکھا

ایسا لگتا تھا جیسے پھول اسے اپنی طرف بلا رہے ہوں۔

ایک لمحے کے لئے چپکے سے اس سادھو نے اپنا ڈھاٹا کھول دیا۔

ایک عجیب و غریب خوشبو تیز اور مست کر دینے والی خوشبو سادھو کے نتھنوں میں آنے لگی۔ بڑی پیاری خوشبو تھی۔

اس کا ڈھاٹا اترے دیکھ کر پہلے سادھو نے جس نے جرأت کر کے پھولوں کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے بھی اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور اسی طرح وہی پیاری خوشبو

اس کے نتھنوں میں بھی اڑ کر آنے لگی۔
عجیب سی مست کر دینے والی خوشبو تھی۔ جیسے سونگھ کر ان سادھوؤں کے قدم ناچنے لگے۔ اور وہ پگڈنڈی پر ناچتے ناچتے بے اختیار راستہ چھوڑ کر پھولوں کے تختوں کی جانب بڑھ گئے۔

پگڈنڈی چھوڑ کر وہ دو ہی قدم آگے گئے ہوں گے۔ کہ پھولوں کے تختے بڑی زور سے ہلے۔ پھر بیچ میں سے پھٹ گئے۔

ایک گرجدار آواز پیدا ہوئی اور پھولوں کے تختوں کے نیچے سے دو مگرمچھ منہ کھولے ہوئے گرجتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور انہوں نے دونوں سادھوؤں کو اپنے منہ میں لے لیا۔ چند لمحوں کے لئے سادھوؤں کی چیخیں سنائی دیں۔
پھر مگرمچھ انہیں پھولوں کے نیچے دل دل میں گھسیٹ کر لے گئے۔

پھولوں کے تختے اوپر سے برابر ہو گئے۔ جیسے کسی انسان نے ان پر قدم نہ رکھا تھا۔
یہ منظر دیکھ کر قافلے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ تیزی سے سر جھکائے پگڈنڈی پر چلنے گئے۔

پھر کسی نے مڑ کر پھولوں کی طرف نہیں دیکھا۔ نہ انہیں سونگھنے کی کوشش کی۔

تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے جب وہ وادی کے دوسرے کنارے پر پہنچے تو ان کی جان میں جان آئی۔

لیکن وادی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر بھی گارحینگ نے اپنے منہ سے کپڑا الگ نہیں کیا۔ بلکہ آگے بڑھتا ہوا ایک اونچی گھاٹی پر چڑھتا گیا۔ اور وہ لوگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتے گئے۔

کوئی آدھے میل کی چڑھائی چڑھنے کے بعد جب وہ لوگ گھاٹی کی چوٹی پر پہنچے۔ جب گارحینگ نے اپنے منہ سے کھال کا ٹکڑا اتارا۔ اور اپنے نتھنوں سے اِدھر اُدھر سونگھا۔

پھر جب اسے اطمینان ہو گیا۔ تو اس نے دوسرے قافلے والوں کو کپڑا اتارنے کا اشارہ کیا۔

اس کا اشارہ پاتے ہی دوسرے قافلے والوں نے اپنے منہ اور ناک سے اپنے ڈھاٹے الگ کئے۔ مگر ڈورنے ڈر سے۔

چند منٹ آرام کرنے کے بعد گارحینگ نے کہا۔ "جنگل کا قانون اٹل ہے۔ جو اس کو توڑے گا سزا پائے گا۔"

"یہ پھولوں کی وادی جو تم نیچے دیکھتے ہو۔ یہ دراصل پھولوں کی وادی نہیں ہے۔ یہ ایک بہت بڑی دلدل ہے۔ جس میں بڑے خطرناک مگرمچھ رہتے ہیں۔ مگر اس دلدل کے اوپر اس قدر پھول کھلے ہیں کہ جن سے یہ دل دل پھولوں کی وادی معلوم ہوتی ہے۔ اس دل دل سے گزرنے کے لیئے صرف یہی ایک پگڈنڈی ہے۔ مگر اس دل دل کے پھولوں کی خوشبو اس قدر تیز اور مست ہوتی ہے کہ انہیں سونگھتے ہی آدمی کیا جانور بھی بیتاب ہو جاتا ہے اور اس کا جی ناچنے کو چاہنے لگتا ہے۔ اور جب وہ پھولوں کی خوشبو سے مست ہو کر پھولوں کے تختوں کی طرف بڑھنے کے لیئے قدم بڑھاتا ہے تو اس کے پاؤں دل دل میں دھنس جاتے ہیں۔ اور وہ مگرمچھوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ اس لیئے جنگلی قبیلے کے لوگ اس وادی کی طرف رخ نہیں کرتے۔ اور جانور تک اس دل دل کے قریب نہیں پھٹکتے۔ لیکن دوسرے علاقوں سے جو ناواقف لوگ یا جانور آتے ہیں وہ ان خوبصورت پھولوں کے حسن اور خوشبو کا شکار بن جاتے ہیں۔"

اس لیئے میں نے پگڈنڈی پر گزرنے سے پہلے تم لوگوں کی ناک پر کپڑا بندھوا دیا تھا۔ اور تمہیں ادھر اُدھر

دیکھنے کی ممانعت کردی تھی۔ مگر افسوس کہ ان دو سادھوؤں نے میرا کہا نہ مانا۔ اور اپنی جان سے گئے۔

اتنا کہکر جنگل کا راجہ چپ ہو گیا۔ اور دیر تک اپنے گھوڑے کی پشت پر بیٹھا رنج میں ڈوبا رہا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے سر اٹھایا۔ اور گھوڑے کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

قافلے والے بھی خاموش اور سہمے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

رات ہوتے ہوتے وہ لوگ جنگلوں سے گزرتے ہوئے ایک بہت اونچی گھاٹی پر پہنچ گئے۔

اس گھاٹی کی چوٹی پر اور دور دور نیچے تک بھی کوئی درخت نہ تھا۔

چوٹی کے بیچ میں ایک چوڑی چکلی جگہ تھی۔ جس پر پتھروں کی بنی ہوئی ایک شکستہ برجی کھڑی تھی اور جہاں پر یہ برجی کھڑی تھی۔ اس کے بالکل سامنے کے پہاڑ پر ایک پرانے پہاڑی قلعے کے کنگورے نظر آرہے تھے۔ جو آسمان کی افقی کنارے کی مدھم روشنی میں بے حد مضبوط سیاہ اور پراسرار معلوم ہوتے تھے۔

اس قلعے گھاٹی کے بیچ میں گھنے جنگلوں سے بھری ہوئی ایک گہری وادی تھی۔

گھاٹی کی بُرجی کے اوپر پہنچ کر گارحنگ اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔

اُس نے قافلے والوں کو رات بھر کے لئے یہیں آرام کرنے کا حکم سنا دیا۔

اِس بُرجی کا فرش پتّھر کا تھا۔ اور چھت بھی پتّھر کی۔

بُرجی کے چاروں طرف پتھر کی اُونچی اُونچی دیواریں تھیں جس کے پتھر جگہ جگہ سے کساک گئے تھے۔ پھر بھی رات بھر آرام کرنے کے لئے یہ جگہ بڑی محفوظ اور آرام دہ معلوم ہوتی تھی۔

سب لوگ اپنے اپنے کمر بند کھول کر بُرجی کے فرش پر لیٹ گئے۔

اور دن بھر کی تھکن اتارنے کے لئے ستانے لگے

کچھ عرصے کے بعد سب نے اپنے اپنے جھولے میں ہاتھ ڈالا اور کھانا نکال کر کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے بعد بہت سے لوگ تو فوراً سو گئے۔ صرف

انگریز جوگی اور کابلی اور گارجنگ دیر تک جاگتے رہے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔

"وہ سامنے والا قلعہ بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔" انگریز جوگی نے کہا۔

"ہاں۔"

گارجنگ نے جواب دیا

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے؟"

کابلی بولا۔

"تم بھی اس راستے پر پہلی بار آئے ہو۔؟"

"نہیں ایک دفعہ پہلے بھی آچکا ہوں۔"

گارجنگ بولا۔

"کوئی تین ماہ ہوئے ادھر سے گزرا تھا۔ جب یہ قلعہ یہاں اس پہاڑ کی چوٹی پر موجود نہ تھا۔

"کیا مطلب۔؟

انگریز جوگی نے حیرت سے کہا۔

"تین ماہ پہلے یہاں موجود نہ تھا۔ اتنا بڑا اور پرانا قلعہ۔؟ یہاں موجود نہ تھا۔ تو تین ماہ میں یہ قلعہ یہاں کیسے بن گیا۔ اور کس نے بنایا۔؟"

"مجھے کیا معلوم ۔"

گارجنگ نے لاپرواہی سے بولا ۔

"تم انسانوں کی باتیں تم ہی جانو ۔ میں جنگلی مجھے کیا معلوم ۔ ! سو جاؤ ۔ اب نیند آ رہی ہے ۔"

"رات کو پہرے کی ضرورت نہیں پڑے گی ۔"

کابلی نے پوچھا ۔

"نہیں ۔ یہ جگہ بالکل محفوظ ہے ۔ اطمینان سے سو جاؤ ۔"

اتنا کہہ کر گارجنگ نے کروٹ لی اور سو گیا اور خراٹے لینے لگا

مگر انگریز جوگی ابھی تک جاگتا رہا اور اس قلعے کو دیکھتا رہا ۔

جو جنگل کے راجہ کے کہنے کے مطابق تین ماہ پہلے یہاں موجود نہ تھا ۔ مگر اس وقت تو سامنے کے پہاڑ پر وہ قلعہ موجود تھا

اتنا لمبا چوڑا ۔

جدید اور سیاہ دیواروں والا قلعہ سامنے کے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا ۔ انگریز جوگی کے اندازے کے مطابق یہ قلعہ دس پندرہ سال سے کم عرصے میں نہیں بنایا

جا سکتا۔

پھر یہ قلعہ تین ماہ کے اندر اندر کیسے بن گیا۔

سامنے کے پہاڑ پر وہ پراسرار قلعہ کھڑا تھا۔

"کل راستے میں جاتے ہوئے میں اسے ضرور دیکھوں گا۔"

انگریز جوگی نے دل ہی دل میں اپنا ارادہ پکّا کر لیا۔

وہ دیر تک جاگتا رہا۔

کروٹیں لیتا رہا۔

اور قلعے کی طرف دیکھتا رہا۔

یکایک وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا

سامنے پہاڑ کے قلعے کی ایک بُرج میں اسے روشنی دکھائی دی۔

یہ روشنی جیسے چلتی ہوئی ایک بُرج سے دوسری بُرجی کی طرف جا رہی تھی۔ یکایک روشنی بجھ گئی۔ اور کچھ دیر کے بعد قلعے کی نچلی منزل کے قریب کی ایک کھڑکی میں ظاہر ہوئی۔

پھر ایک دم قلعے کے تین چار حصّوں میں روشنیاں

نظر آئیں۔

اور پھر ایک دم اندھیرا چھا گیا۔

اس کے بعد بھی انگریز جوگی دیر تک جاگتا رہا۔ مگر اسے پہاڑ کے قلعے کے اندر کوئی روشنی نظر نہ آئی۔ سیاہ اور تاریک اور مہیب کنگورے خاموشی سے یوں کھڑے رہے

جیسے صدیوں سے ان کے اندر کبھی کوئی روشنی نہ ہوئی ہو۔

نیند سے انگریز جوگی کے پپوٹے بھاری ہونے لگے۔

اس نے قلعے کی طرف دیکھنا چھوڑ دیا۔ اور سونے کی ٹھان لی

ابھی وہ کچی نیند میں ہی تھا کہ اس کے کانوں میں ایک باریک مدھم میٹھی آواز سنائی دی۔

" کہیں قریب میں کوئی عورت گا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔

انگریز جوگی فوراً اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اور اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

اس کے سامنے پہاڑی طرف مسجد کے فرش پر بے

سدھ سوئے پڑے تھے۔

اور گارھنگ دھیرے دھیرے خراٹے لے رہا تھا۔

انگریز اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور آہستہ آہستہ برجی سے نکل کر آواز کی طرف چلا ایک موڑ پر پہنچکر رک گیا۔ اس کے قدم پہاڑ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر......"

وہ ایک موڑ پر پہنچکر رک گیا۔

اس کے سامنے ایک اونچی چٹان پر ایک نوجوان اور خوبصورت عورت ایک ریشمی چوغہ پہنے کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں کانچ کا ایک چھوٹا سا گولہ تھا۔ جس میں سے روشنی پھوٹ کر نکل رہی تھی اور وہ دھیرے دھیرے بڑی مدھم اور میٹھی آواز میں گاتے ہوئے اپنے پاس بلا رہی تھی۔

انگریز جوگی قدم بڑھا کے اس عورت کی طرف بے اختیار کھنچتا ہوا چلتا گیا۔

آدھی رات کے قریب یکایک کابلی کی آنکھ کھل گئی اور اس کے کانوں میں کہیں قریب سے ایک مدھم مدھم میٹھی سی آواز گانے کی سنائی دی۔

کابلی آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا

اور اس آواز پر دھیان دینے لگا

اس نے اپنے ساتھیوں پر نظر ڈالی۔
سبھی لوگ میٹھی نیند سو رہے تھے۔
چونکہ یہ لوگ بہت زیادہ تھک گئے تھے۔ اسی لئے سبھی لوگ بڑی گہری نیند سو رہے تھے۔
حتّیٰ کہ گارجنگ کا سنہرا گھوڑا بھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔
پھر کابلی بھی آہستہ سے اٹھا۔
اس نے دوبارہ اپنے ساتھیوں پر نظر ڈالی۔ اور برجی کی دیوار کے باہر جھانک کر دیکھنے لگا۔
اور دیکھتا ہی رہ گیا۔
کیوں وہ ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی تھی۔
یہ وہی لڑکی تھی جو کچھ دیر پہلے انگریز جوگی نے دیکھی تھی اور وہ اس کی طرف کھنچتا چلا گیا تھا۔ مگر اب وہ انگریز کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔
پتہ نہیں کہاں چلا گیا تھا وہ .....
دوسرے لمحے کابلی بھی اس لڑکی کی طرف کھنچتا چلا گیا تھا۔
بات لڑکی کی تھی اس لئے شاید اس نے کسی کو اٹھانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

لڑکی دھیرے دھیرے ناچتے ہوئے گا رہی تھی۔ گانے گانے چھم چھم کرتی ہوئی وہ چٹان سے نیچے اتر کر کھائی کے نیچے جانے لگی۔

کابلی لڑکی کی طرف کھنچتا چلا گیا۔
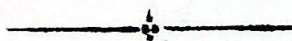
جب صبح قافلے نے آنکھ کھولی۔ اور چلنے کے لئے تیار ہونے لگا۔ تو سب نے دیکھا کہ قافلے میں انگریز جوگی اور کابلی غائب ہیں
کافی دیر انہیں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اور ڈھونڈا گیا مگر ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔
تلاش میں ناکام ہونے کے بعد سب نے آگے بڑھنے کی ٹھانی

گارجنگ نے کوچ کا حکم دیا۔ اور جب وہ گھوڑے پر سوار ہوا تو اس کی نظر پہاڑ پر گئی۔ تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

سامنے کے پہاڑ کا قلعہ غائب تھا۔

گارجنگ نے آنکھیں مل مل کر بار بار دیکھا۔

رات کو پہاڑ کی چوٹی پر جو قلعہ نظر آیا تھا۔ اس وقت وہ غائب تھا۔

قافلے والے حیرت اور اچنبھے سے سامنے کے پہاڑ پر غور سے دیکھنے لگے۔ مگر پہاڑ کی چوٹی پر کہیں وہ قلعہ نظر نہ آیا۔ جسے انہوں نے رات کو پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا تھا۔

اتنا بڑا قلعہ،

اتنی بڑی بڑی دیواروں والا قلعہ۔ برجیوں اور کنگوروں والا قلعہ راتوں رات کیسے غائب ہوگیا۔

دیر تک قافلے کے لوگ پہاڑ کی چوٹی کو دیکھتے رہے۔

حیرت اور خوف کے مارے ان لوگوں کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے تھے۔

قافلے والے گارجنگ کی رہنمائی میں نیچے وادی تک

تو اتر گئے۔

مگر جب گارجنگ نے انہیں سامنے کے پہاڑ پر چڑھنے کے لئے کہا۔ جس پر کل رات انہوں نے قلعہ دیکھا تھا

جو آج غائب تھا۔

سب قافلے والوں نے یک زبان ہوکر اس پہاڑ پر چڑھنے سے انکار کر دیا۔

"مجھے تو یہ جنات کا پہاڑ معلوم ہوتا ہے" کریم خان نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"رات کو شاید یہی جنات یا بھوت میرے بھائی اور جوگی کو کھا گئے ہیں۔ اور اب تم ہم سے اس پہاڑ پر چڑھنے کے لئے کہہ رہے ہو۔ نہ بابا۔ ہم مر جائے گا۔ مگر اس پہاڑ پر نہیں جائے گا۔"

گارجنگ نے انہیں بہت سمجھایا۔ یہ بھی بتایا کہ اس پہاڑ پر پہنچکر ترائی کا راستہ صرف تین دن کا رہ جائے گا۔ یہ بھی بتایا کہ اسے یہ راستہ اچھی طرح سے یاد ہے۔ اور دوسرے راستوں سے وہ اچھی طرح واقف نہیں ہے۔"

مگر اس پر بھی قافلے والے پہاڑ پر سفر کرنے کے

لئے تیار نہ ہوئے۔

ہار کر گارجنگ انہیں دوسرے راستے پر لیجانے کے لئے تیار ہو گیا۔

گارجنگ نے اپنے دل میں سوچا۔ مجھے پہاڑ پر چڑھ کر مغرب کی طرف جانا تھا۔ اس لئے اب مناسب یہی ہے کہ پہاڑ پر چڑھنے کے بجائے پہاڑ کے نیچے وادی کے کنارے کنارے گھنے جنگلوں میں سے گھوم کر مغرب کی طرف کا رخ اختیار کیا جائے۔ اس جنگل کی بہت سی وادیاں دیکھی ہوئی بھی نہیں ہیں۔ اسی بہانے سے اسے نئے علاقوں کو دیکھنے کا موقع ملے گا۔

یہی سوچ کر اس نے مغرب کا رخ اختیار کیا۔

دن بھر وہ لوگ مغرب کی جانب بہنے والی ایک ندی کے کنارے چلتے رہے۔ راستے میں انہیں بھیڑیوں کے غول ملے، ہاتھیوں کے غول ملے۔ اور ایک دفعہ ایک شیر شیرنی اور ان کے دو بچے بھی ملے۔ مگر گارجنگ ان کے ساتھ تھا

گارجنگ جو جنگل کا راجہ تھا۔ اس لئے بھیڑیئے راستے سے ہٹ گئے۔

ہاتھیوں نے سونڈ اٹھا کر جنگل کے راجہ کو سلام کیا۔

شیرغا کر واپس کچھار میں چلا گیا۔ شیرنی نے آگے بڑھکر گارحنگ کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا۔ گارحنگ نے شیرنی کی ایال پر ہاتھ پھیرا۔

اس کے دونوں بچوں کو ہاتھ میں اٹھا کر پیار کیا اور پھر آگے چلا گیا۔

دس بارہ کوس ندی کے کنارے چلنے کے بعد گارحنگ نے ایک مقام پر ندی کو پار کیا۔ اور مغرب سے جنوب کا رخ اختیار کیا۔

وہ غائب ہونے والے قلعے کا پہاڑ پیچھے رہ گیا تھا۔ اور اب وہ لوگ گھنے جنگلوں سے بھری ہوئی ایک تنگ و تاریک گھاٹی میں سے گزر رہے تھے۔

گار جنگ سب سے آگے چل رہا تھا۔ اس نے کمربند میں سے اپنا خنجر نکال لیا تھا۔ اور گھنی جھاڑیوں کے پتوں اور شاخوں کو خنجر سے توڑتا ہوا راستے سے ہٹاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کا سنہرا گھوڑا آ رہا تھا۔

اس کے پیچھے پیچھے قافلے کے باقی لوگ تھے ان کے پاؤں جھاڑیوں سے الجھ الجھ کر زخمی ہوتے جا رہے تھے

ایک جگہ پر گار جنگ کا گھوڑا بڑے زور سے بدکا اور اپنے پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو کر ہنہنانے لگا گار جنگ نے مڑ کر دیکھنا چاہا کہ کیا ماجرا ہے کہ اتنے میں اسے لیا

محسوس ہوا جیسے پیچھے سے کسی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا ہے۔

گارجنگ بجلی کی تیزی سے ملٹیا۔ مگر اس کی کمر ایک بہت بڑے اژدہے کی لپیٹ میں آچکی تھی اور وہ اژدہا بہت ہی تیزی سے اپنے آپ کو گارجنگ کے گرد لپٹتا جارہا تھا۔ ادر گارجنگ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سارے بدن کی ہڈیاں چٹخ جائیں گی۔

خوش قسمتی سے اس کے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ اور ایک ہاتھ میں خنجر بھی تھا۔ مگر وہ اژدہے کو مارنا نہ چاہتا تھا۔ آج تک اس نے کسی جانور کا خون نہیں کیا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ سے خنجر چھوڑ دیا۔ ادر قافلے والے حیرت سے سکتے میں خاموش کھڑے یہ دیکھنے لگے کہ جس ہتھیار سے جنگل کا راجہ اپنی جان بچا سکتا ہے۔ اس ہتھیا کو اس نے اپنے ہاتھوں سے الگ کر دیا ہے۔ اب کسی ہتھیار کے جنگل کا راجہ اژدہا کی لپیٹ سے آزاد کیسے ہو گا۔؟

گارجنگ نے دونوں ہاتھوں کا زور لگاکر اژدہا کا منہ پکڑ لیا۔ اور اسے دونوں ہاتھوں سے کھینچتے ہوئے آہستہ

آہستہ اس کے بدن کو پلٹتے ہوئے۔ ایک رسّے کی طرح ٹوٹتے ہوئے اپنے آپ سے الگ کرنے لگا۔ اژدہا اپنے جسم کی پوری طاقت لگا کر اس کی کمر کو کس رہا تھا اور گارجنگ کی گردن کی رگیں اور بازوؤں کی مچھلیاں لوہے کے بٹے ہوئے تاروں کی طرح ابھر آئی تھیں۔ اور وہ اپنے جسم و جاں کی طاقت کا پورا زور لگا کر اژدہا کو الٹا کرتے ہوئے دھیرے دھیرے الگ کر رہا تھا۔ اژدہا اس کے بازوؤں میں تڑپ تڑپ جاتا تھا مگر گارجنگ کی گرفت سانپ پر زیادہ مضبوط تھی چند منٹ میں سانپ مچھلی کی طرح اس کے بازوؤں میں تڑپنے لگا۔

اژدہا کی ہڈیوں کے کڑکنے کی آواز آئی۔ اور اژدہے نے گارجنگ کی کمر چھوڑ دی۔ اور گارجنگ نے دونوں ہاتھوں کی پوری قوت کا زور لگا کر بیس فٹ اژدہے کو دو تین بار زور سے اٹھا کر زمین پر اس طرح مارا جیسے چابک مارنے والا چابک کو زور زور سے زمین پر مارتا ہے۔ زمین سے بار بار چٹاخوں کی سی صدائیں پیدا ہوئیں۔ اور زخمی اژدہا بے دم ہو کر سیدھا زمین پر لیٹ گیا۔

دھیرے دھیرے گارجنگ نے اژدہے کا منہ آزاد کیا۔ اور اُس کے مُنہ پر اس نے زور کے دو تین مُکّے مارے۔

" اژدہے کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔

پھر اس نے اژدہے سے کہا۔

" ناگا نگو۔ ساما۔ نگو۔ ناگا راجہ۔ ساما۔ ساما۔"

اژدہے کی دم میں ہلکی سی جنبش پیدا ہوئی۔ اس نے آہستہ سے اپنا زخمی سر اٹھایا۔ اور اسے گارجنگ کے پاؤں پر رکھ دیا۔

گارجنگ نے اژدہے کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنی گردن میں ڈال لیا۔ اور اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر فاتحانہ انداز سے چیخا۔

" دھارا۔ دھارا۔ وہ مارا۔"

اژدہا اس کے گلے میں پڑا ہوا دھیرے دھیرے حرکت کر رہا تھا۔

مگر اب اس کا جسم گارجنگ کے جسم کے گرد اپنے آپ کو لپیٹنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

دور اوپر جنگل کی گھنی شاخوں میں حرکت پیدا ہوئی بہت سے لنگور اور بندر ایک ساتھ چیخنے لگے۔

گارجنگ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کاجی۔ باجی۔ گوگا دامی دامی بانا داکا داکا۔"

کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ کہ گارجنگ نے بندروں سے کیا کہا۔

مگر اس کی بات سن کر بہت سے بندر لنگور درختوں کی شاخوں پر پھلانگتے ہوئے اور شور مچاتے ہوئے جنوب کی سمت غائب ہو گئے

ڈیڑھ کوس چلنے کے چلنے کے بعد جب جنگل چھٹنے لگا۔ تو انہیں اپنے سامنے ایک ٹیلے پر لنگوروں کا ایک غول نظر آیا۔ جو بڑے زور زور سے چیخ رہے تھے۔

گارجنگ کے قریب آتے ہی وہ سب لنگور بھاگ کھڑے ہوئے۔

ٹیلے کے قریب پہنچکر قافلے والوں نے دیکھا کہ ٹیلے کے قریب دو تین بڑے بڑے مٹکے رکھے ہیں اور بہت سے جنگلی پھل۔

ٹیلے کے قریب پہنچ کر گارجنگ نے اپنی گردن سے اژدہے کو اتار دیا۔

اور اس کا منہ دودھ بھرے ایک مٹکے میں ڈال دیا

جب مٹکا خالی ہو گیا۔ تو گارجنگ نے اژدہے کا جسم تھپتھپایا۔

اور اس سے کہا۔

"ناگا نکو۔ سانا نکو۔ اگا راجہ۔ سانا سانا ما۔"

جواب میں اژدہے نے مٹکے سے سر نکال کر جنگل کے راجہ کے قدموں میں رکھ دیا۔

دو بار زبان نکال کر اس نے اس نے گارجنگ کا پاؤں چاٹ لیا۔ پھر ہولے ہولے مڑ کر جنگل کی لمبی گھاس میں غائب ہو گیا۔

گارجنگ نے قافلے والوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے اس کا سارا کس بل نکال دیا ہے۔ اب یہ بلا وجہ کبھی کسی جانور یا جاندار پر حملہ نہیں کرے گا۔"

رات کو سب نے جنگل کے کنارے اونچے اونچے درختوں کی گھنی شاخوں پر بسیرا کیا۔ کیوں کہ اس جنگل میں شیر بہت تھے۔ اس لئے وہ لوگ لنگوروں کی طرح درختوں کی اونچی اونچی شاخوں پر جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اور پتوں اور شاخوں کا گھرا اور مضبوط بچھونا بنائی تھیں ان پر لیٹ کر آرام سے سو گئے۔

اور رات بھر جنگل کے لنگور اور بندر ان کی نگہبانی

کرتے رہے۔

مگر رات بھر گارجننگ درختوں کے نیچے اپنے پیارے گھوڑے کے قریب خنجر تانے کھڑا رہا۔ کیوں کہ یہ جنگل اس کے لئے اجنبی تھا۔

کل تک سارے جنگل میں اس کی خبر ہو جائے گی کہ جنگل کے راجہ نے جنگل کے سب سے بڑے اژدہے کو کس طرح اپنے دونوں ہاتھوں سے پچھاڑ دیا ہے۔ مگر کل تک کے لئے احتیاط بہت ضروری ہے۔ اس لئے وہ اپنے پیارے گھوڑے کے قریب کھڑا جاگتا رہا

اگلے دو دن ایک بہت بڑے جنگل کو پار کرنے میں لگ گئے۔ تیسرے دن شام کے وقت وہ لوگ ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔ جس پر برف جمی ہوئی تھی۔ اور جس کے نیچے کے پہاڑی سلسلے اور گھاٹیاں اور وادیاں نیچے ہی نیچے اترتی ہوئی ترائی کے علاقے پر ختم ہوتی تھیں۔

ترائی علاقے میں ایک پتلی سی موٹر روڈ ایک نیلے فیتے کی طرح کھلتی جا رہی تھی۔ اس موٹر روڈ پر کھلونوں کی لاریاں اور موٹریں دوڑ رہی تھیں۔

" انسان کا دیش آگیا "

گارحنگ نے موٹر روڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کل صبح ہم دونوں اپنے اپنے راستوں پر الگ الگ جائیں گے میں واپس اپنے جنگل کو جاؤں گا۔ تم لوگ اپنی شہری تہذیب کو

رات کو گارحنگ نے قافلے والوں کے ساتھ چوٹی کے قریب چٹانوں سے گھری ہوئی ایک غار میں قیام کیا۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ وہ نہ چل سکتا ہے۔ نہ ہل سکتا ہے۔

اس کے ہاتھ پاؤں اس کا سارا جسم رسوں سے جکڑا ہوا تھا۔ اور اس کے سنہرے گھوڑے کے گلے میں موتیوں کی مالا نہیں تھی۔

وکرٹ بولا۔

"یہ ممکن نہیں تھا کہ ہم لوگ موتی حاصل کئے بغیر چلے جاتے۔ اتنی بڑی دولت تمہارے گھوڑے کے لئے بیکار ہے۔ اور بہر حال تم جب چاہو۔ اس جھیل کے کنارے جاکر اپنے گھوڑے کے لئے ایک سو ایسی مالائیں لا سکتے ہو۔ لیکن ہمارے لئے یہ موتی ساری زندگی کے لئے کافی ہونگے۔"

کرپال بولا۔

"ہم نے تمہیں نہیں مارا کیوں کہ تم نے ہماری جان بچائی ہے۔ اس لیئے ہم تمہیں یہیں باندھ کر چھوڑے جا رہے ہیں۔ آگے تم جانو اور تمہاری قسمت۔

ان لوگوں نے رسّوں سے جکڑے ہوئے گار جنگ کو غار سے نکال کر پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیا۔ اور خود اتر کر ترائی کی راہ پکڑ لی۔

کبھی کبھی وہ مڑ کر اس اونچے پہاڑ کی چوٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ جس پر جنگل کا راجہ رسّوں سے بندھا رکھا تھا۔ اور جس کے پاس اس کا وفادار سنہرا گھوڑا بے بسی اور مجبوری سے کھڑا ہنہنا رہا تھا۔

"اگر آج رات تک جنگل کے راجہ کی مدد کے لیئے کوئی نہ پہنچا تو برف پر پڑے پڑے آج رات ہی میں گار جنگ کا دم نکل جائے گا۔

گار جنگ نے جانے والے انسانوں کی خصلت پر غور کیا۔ جنہوں نے اس کی نیکی کا یہ صلہ دیا تھا۔ پھر اس نے ان رسّوں سے خود کو آزاد کرانے کی بڑی کوشش کی۔

مگر قافلے والے بھی گار جنگ کی طاقت، دلیری اور

بہادری سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے اس قدر کس کر رسّوں سے باندھا تھا۔ کہ ہزار کوشش کرنے پر بھی گارجنگ اپنے آپ کو رسوں کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکا۔

قافلے والوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر کسی طرح سے گارجنگ نے اپنے آپ کو رسّوں سے آزاد کرا لیا تو پھر ان کا حشر کیا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے ایک گٹھڑی کی طرح گارجنگ کو باندھ کر پیچ در پیچ رسّوں سے جکڑ دیا تھا۔

گارجنگ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ یکایک اوپر آسمان میں ایک چیخ سنائی دی۔

گارجنگ نے آنکھیں کھول کر دیکھا

آسمان پر ایک عقاب ڈولتا ہوا نظر آیا۔ جو غالباً کسی شکار کی تلاش میں چوٹی کے اوپر گھوم رہا تھا۔

عقاب کو دیکھ کر گارجنگ زور سے چیخا۔"

"ترجا۔ بادا۔ ترجا سنگدلی۔ جادو جارو ترجا بادا۔"

عقاب یہ سن کر پر کھولے ہوئے ہوا میں چکّر لگاتا ہوا شمال کی طرف پرواز کر گیا۔

سنہرا گھوڑا زور زور سے ہنہنانے لگا۔

دن بھر گارجنگ رسّوں سے جکڑا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر پڑا پڑا رہا پڑے پڑے جب اس کی رگوں کا خون منجمد ہونے لگا۔ تو پڑے پڑے رسّوں سے نکلنے کے لئے بار بار زور لگانے لگا۔ اس لئے نہیں کہ اُسے رسّوں کو توڑ دینے میں کسی طرح کی کامیابی ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس طرح سے اس کے بدن کا خون گرم رہے گا۔ اور جم نہیں پائے گا۔"

سہ پہر کے قریب بارہ عقابوں کی ایک بڑی ٹکڑی اس پہاڑ کی چوٹی پر آ کے منڈلانے لگی۔ دو تین بار وہ اکٹھے اڑتے ہوئے آئے اور چوٹی کے اوپر سے گزر گئے۔

پھر عقابوں کا غول بکھر گیا۔ اب وہ چوٹی کے چاروں طرف پھیل گئے۔ اور چاروں طرف سے گھوم کر چوٹی کے اس مقام کی طرف آنے لگے۔ جہاں گارجنگ رسّوں سے بندھا رکھا تھا۔

"ترجاہادا۔ ترجاترجا۔" گارجنگ بار بار کہہ رہا تھا۔

دو تین بار وہ بلّے کرنے بالکل اس کے قریب سے اڑتے ہوئے گزر گئے۔

چوتھی بار وہ گھوم کر آئے۔ اور ایک ہی جھپٹے میں ان بارہ عقابوں نے بارہ مختلف جگہوں سے اپنے پنجوں میں رسّوں کو بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور دوسرے لمحے وہ اسی رسّوں سے بندھی گٹھڑی کو اٹھائے ہوا میں اڑ گئے۔

بارہ عقاب اپنے پنجوں میں رسّوں سے بندھے گارجنگ کو اٹھائے شمالی پہاڑوں کی طرف پرواز کرنے لگے۔ جدھر جنگل کے راجہ کا علاقہ تھا۔ نیچے وادیوں کی طرف اترتے ہوئے قافلے والوں نے اس حیرت انگیز منظر کو دیکھا۔ حیرت اور خوف سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بارہ عقاب اپنے جنگل کے راجہ کو اٹھائے ہوا میں اڑے جا رہے تھے

ان کے نیچے پہاڑ تھے۔ گھاٹیاں اور وادیاں۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی گرفت ڈھیلی پڑتی تو جنگل کے راجہ کی لاش زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس کی ہڈی پسلی کا پتہ نہ چلتا۔

مگر وہ بہت بڑے عقاب تھے۔ ان میں سے ہر ایک عقاب اتنا بڑا تھا کہ اپنے پنجوں میں ایک گھوڑے کو زمین سے اٹھا کر ہزاروں فٹ اوپر آسمان میں لیجا سکتا تھا اس لئے بارہ عقابوں کو بڑی آسانی سے ایک آدمی

کو اٹھا سکتے تھے۔

ان کے پر برابر ایک ہی پرواز میں ایک ہی لے میں حرکت کر رہے تھے۔ جیسے انہوں نے گھنٹوں اس کام کے لئے ریہرسل کر رکھی ہو۔

اڑتے اڑتے بارہ عقاب جنگل کے راجہ کے جسم کی گٹھڑی اٹھائے جب شمالی پہاڑوں کے سلسلے کی آخری چوٹی بھی پار کر گئے۔ تو سنہرا گھوڑا اپنے دونوں پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو کر خوشی سے ہنہنانے لگا۔ اور پھر تیر کی طرح لپکتا ہوا اپنے مالک سے ملنے کے لئے واپس اپنے دیش کی سمت بھاگنے لگا۔

کرشن چندر

بہت ہی سستے ہیں

اپنے گھر میں اپنی لائبریری بنائیے!

نامور مُستند مصنّفین کی اُچھوتی کتابیں۔ ناول افسانے شاعری ڈرامے، مذہبی، اخلاقی اور مختلف مضامین پر کارآمد کتابیں مشورہ پاکٹ بکس میں شائع ہوتی ہیں۔ آپ کس طرح سے بہت ہی سستے میں گھر میں اپنی لائبریری بنا سکتے ہیں۔ یہ جاننے کے لئے گھریلو لائبریری اسکیم کے قواعد وضوابط منگائیے! فری ڈاک کی رعایت حاصل کیجئے۔ نئی کتابوں کی اطلاع ہم آپ کو بھیجتے رہیں گے!

مشورہ بک ڈپو

رام نگر کرشن نگر۔ دھلی ۵۱

نئے نئے ناول

نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف	قیمت
دیوتا کی عورت	دت بھارتی	-/۱	ایک کلی نازک علی	تنظمی صدیقی	-/۱
نیلا ہرن	کرشن چندر	-/۲	وہی	اکرم الہ آبادی	-/۱
لاجی نیکا	عادل رشید	-/۱	غازی صلاح الدین	ضیا عظیم آبادی	-/۱
چشمے کا پتھر	اے حمید	-/۱	شام غزل	کوثر چاند پوری	-/۱
اندیرا	بنکم چندر چٹرجی	-/۱	رعنا	قدیرا تنہا نوی	-/۲
گرہ دا	شرت چندر	-/۱	چاندنی راتیں	مضطر ہاشمی	-/۱
دھا ماگری	اکرم الہ آبادی	-/۲	شب آرزو	حاجرہ نازلی	-/۱
ایک جام ایک لڑکی	ارنینہ پریتم	-/۱	کالے دائرے	اظہار اثر	-/۱
اداس تنہائیاں	ٹھاکر پونچھی	-/۱	معرکہ کربلا	ضیا عظیم آبادی	-/۱
آسمان	جمیل انجم	-/۱	ایک بوند لہو کی	جوگندر پال	-/۱
مسکراتی زندگی	کوثر چاند پوری	-/۱	نور ٹ کرنا ک	اکرم الہ آبادی	-/۱
رتی کی عورت	کرشن چندر	-/۲	پھول اور تنہائی	اختر عادل	-/۱
ایر ہوسٹس	دت بھارتی	-/۱	بدنام	مضطر ہاشمی	-/۱

محصول ڈاک الگ ہوگا

منگانے کا

پتہ: مشہورہ بک ڈپو رام نگر کرشن نگر دہلی ۵۱

؟

ایشیا کے ایک عظیم مصنف کے قلم کا نیا موڑ
اچھوتے جذبات خیز رومانی ناولوں کا نیا سلسلہ

پریم دُوت
کے قلمی نام سے

پریم دُوت (پیار کے پیامبر کے دو شاہکار ناول

برکھا بہار | تصویر مسکرا دی

بہت جلد مشورہ بک ڈپو کے نئے پاکٹ بکس میں شائع کئے جا رہے ہیں
اگلے سیٹ کا انتظار کیجیے اور اپنے آرڈر ابھی سے بک کرا دیجیے